محدث

دار التالیف والترجمہ ریوڑی تالاب بنارس

★

عدد مسلسل ۸۳ ◎ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ ◎ دسمبر ۱۹۸۹ء

AsliAhleSunnet.com

ماہنامہ

محدث

بنارس

جلد نمبر ۹	دسمبر ۱۹۸۹ء، جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ	شمارہ نمبر ۱۲

مُدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۳/۱۸ اجی ریوڑی تالاب وارانسی نمبر ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپئے فی پرچہ تین روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

درس قرآن	ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی	۲
درس حدیث	″	۴
افتتاحیہ	عبدالوہاب حجازی	۶
شیخ الاسلام ابن تیمیہ	ڈاکٹر عبدالرحمٰن الفریوائی	۹
دینی نصاب تعلیم میں اصلاح کیوں اور کیسے	ڈاکٹر محمد اقبال حسین ندوی	۱۵
یورپ میں مسیحی سرگرمیاں	ڈاکٹر عبدالعلی ازہری	۳۰
ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن	مولانا احمد مجتبیٰ سلفی	۳۴
باب الفتاویٰ	″	۳۶
کتاب ”سو بڑے“ کے مصنف سے انٹرویو	(ادارہ)	۳۹
دفتر ہستی میں		۴۳
ہماری نظر میں	(ادارہ)	۴۸

کاتب شمس غفاری

AsliAhleSunnet.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی

شیطان کے شر سے بچنے کے ذرائع

وإما ینزغنک من الشیطان نزغ فاستعذ باللہ إنہ ھو السمیع العلیم

شیطان انسان کا ازلی اور کھلم کھلا دشمن ہے، اسے انسان کو گمراہ کرنے کی ڈھیل اللہ رب العزت نے اسکی طلب پر دے دی ہے، ساتھ ہی اللہ رب العزت نے انس وجن کی ہدایت ورہنمائی کے لئے بڑی واضح تعلیمات بھی بتائی ہیں، حافظ ابن قیم نے تفسیر سورۂ معوذتین میں کتاب وسنت صحیحہ سے ثابت دس ایسے امور کا تذکرہ فرمایا ہے جو انسان کو شیطان کی چالوں اور اسکے مکروفریب سے بچنے میں ممد ومعاون ہیں، بلکہ ان کو نسخۂ کیمیا کی حیثیت حاصل ہے، ذیل میں مختصراً اسکو افادۂ عام کیلئے پیش کیا جارہا ہے۔

(۱) شیطان کے شر سے اللہ رب العزت کی پناہ حاصل کرنے کی دعا جیساکہ مذکورہ آیت میں ہے۔

(۲) سورۂ فلق اور سورۂ والناس کی تلاوت، شیطان کے شر اور وسوسے سے اللہ کی پناہ وحفاظت میں یہ دونوں سورتیں بہت مؤثر ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ کی پناہ طلب کرنے والوں نے ان دونوں سورتوں کی طرح کسی اور کلام سے اللہ کی پناہ حاصل نہیں کی۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت ہر رات کو انہیں پڑھتے تھے، اور نماز کے بعد ان دونوں سورتوں کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ معوذتین کو سورۂ اخلاص کے ساتھ صبح وشام تین تین دفعہ جس نے پڑھا یہ سورتیں اسکے لئے ہر شے سے کفایت کریں گی۔

(۳) آیۃ الکرسی کا پڑھنا جیساکہ ابوہریرہ رضی کی حدیث میں ہے کہ خود شیطان نے اپنے شر سے دفعیہ کیلئے آپ کو یہ دعا سکھائی اور اللہ کے رسول نے اسکی تصدیق کی "صدقک وھو کذوب" "ذاک الشیطان" تم سے اس نے صدق بیانی سے کام لیا

AsliAhleSunnet.com

حالاں کہ وہ جھوٹا ہے وہ شیطان تھا۔

(۴) سورۂ بقرۃ کی تلاوت: حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ کی تلاوت ہوتی رہے اس میں شیطان داخل نہ ہوگا۔

(۵) سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی تلاوت: حضرت ابومسعود انصاری سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے سورۂ بقرہ کی آخری دو آئتیں رات میں پڑھی تو یہ اسکے لئے کافی ہیں

ایک دوسری حدیث میں ان آیتوں کی فضیلت آئی ہے اور اس میں یہ ہے کہ جس گھر میں یہ دونوں آئتیں تین رات پڑھی جائیں اس میں شیطان نہیں ٹھہر سکتا۔

(۶) سورہ حٰم المؤمن کی شروع کی آیت تا (الیہ المصیر) اور اسکے ساتھ آیت الکرسی ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ جس نے حٰم المومن "الیہ المصیر" تک آیت الکرسی کے ساتھ تلاوت صبح کے وقت کی تو وہ شام تک اسکے لئے محافظ ہوں گی، اور جس نے انہیں شام کو پڑھا صبح تک محفوظ رہا۔

(۷) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ سو مرتبہ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جس نے ایک دن میں مذکورہ دعا سو بار پڑھی تو اس کو دس گردن آزاد کرانے کے برابر اجر ملے گا اور اس کی سو نیکیاں لکھی گئیں اور سو خطائیں معاف ہوئیں، اور اس دن شام تک کیلئے اسکو شیطان سے محفوظ رکھیں گی، اس دعا سے زیادہ جس نے عمل کیا اسکے علاوہ کوئی اس سے افضل کام نہیں کیا۔

(۸) اور سب سے نفع بخش نسخہ یہ ہے کہ کثرت سے اللہ کو یاد کیا جائے اسلئے کہ ترمذی میں حارث اشعری کی لمبی حدیث میں آیا ہے کہ انسان اپنے کو شیطان کے شر سے اللہ کی یاد کے بغیر محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

(۹) انسان کا باوضو رہنا، اور نماز پڑھنا، یہ ایک مجرب کارگر نسخہ ہے۔

(۱۰) ضرورت سے زیادہ ادھر ادھر دیکھنے، گفتگو کرنے، کھانے پینے اور لوگوں سے ملنے جلنے سے پرہیز کرنا، اسلئے کہ انہیں دروازوں سے شیطان انسان کے دل و دماغ اور اعضاء و جوارح کو متاثر کرتا ہے۔

مذکورہ دس اسباب و ذرائع کو ذہن میں رکھ کر اور ان نسخوں کو استعمال کر کے انشاءاللہ العزیز مسلمان اپنے کو ہر طرح کے شیطانی وسوسوں سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔

آج اس ضعیف الاعتقادی کے دور میں کتاب و سنت کی واضح تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنیکی سخت ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر طرح کے فتن و شرور سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین۔

AsliAhleSunnet.com

درس حدیث

اسبال ازار

لاینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطرا (متفق علیہ)

اللہ رب العزت قیامت کے دن اس شخص کی طرف نگاہ نہیں کرے گا جو اپنی لنگی کو تکبر اور گھمنڈ میں گھسیٹتا پھرے۔

اسبال ازار تکبر اور گھمنڈ کی علامت ہے، اسی لئے یہ متکبرین کا بڑا پرانا شعار رہا ہے اہل ایمان کو کبر و نخوت سے دور رہ کر تواضع وفروتنی کی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اسلئے متعدد احادیث شریفہ میں اسبال ازار پر شدید وعید اور عذاب جہنم کی دھمکی وارد ہوئی ہے، یہاں پر ہم چند احادیث کا ترجمہ نقل کرتے ہیں تاکہ اس فعل شنیع کے سلسلے میں اسلام کی تعلیم ہمارے سامنے آجائے۔

۱- ابو جری جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ: اپنی لنگی کو آدھی پنڈلی تک اٹھائے رکھو، اگر ایسا نہ کرسکو تو اسے ٹخنے تک کرلو اور اسبال ازار سے بچو کیوں کہ یہ کبر ہے اور اللہ تعالی کبر کو ناپسند کرتا ہے۔
(ابوداؤد، ترمذی وصححہ، والحاکم وصححہ)

۲- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: دونوں ٹخنوں سے نیچے کا لنگی کا حصہ جہنم میں ہوگا۔ (صحیح بخاری)

۳- حضرت ابوہریرہ کی ایک دوسری متفق علیہ حدیث میں ہے کہ: اللہ رب العزت قیامت کے روز کبر ونخوت سے لنگی گھسیٹنے والے آدمی کی طرف نظر اٹھاکر نہ دیکھے گا۔

۴- تین آدمیوں سے اللہ رب العزت قیامت کے روز نہ ہمکلام ہوگا اور نہ انکی طرف دیکھے گا بلکہ وہ دردناک عذاب کے سزاوار ہوں گے، ایک ٹخنے سے نیچے لباس رکھنے والا (مسبل ازار) دوسرا بھلائی کرکے احسان جتلانیوالا تیسرا جھوٹی قسمیں کھاکر اپنا مال تجارت کھپانے والا۔

۵- ایک آدمی اپنے لباس میں ملبوس، اور اپنے جی میں کبر و نخوت لئے چل رہا تھا اور اپنے بال سنوارے ہوئے

AsliAhleSunnet.com

تھا کہ زمین میں اللہ نے اسے دھنسا دیا اور تا قیامت وہ اس میں دھنستا جائے گا

۶۔ جس شخص نے اپنے لباس کو نخوت و تکبر سے گھسیٹا تا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسکی طرف نہیں دیکھے گا۔

۷۔ اسبال لنگی (و پاجامہ) اور پگڑی میں ہے جس نے اس میں سے کسی کا بھی متکبرانہ اسبال کیا اللہ تعالے اسے قیامت کے روز نہیں دیکھے گا۔

۸۔ مومن کی لنگی (لباس) اسکی آدھی پنڈلی تک ہے، اور پنڈلی اور ٹخنے کے مابین بھی ہو تو کوئی ہرج نہیں، ٹخنے سے نیچے جو لباس ہوگا وہ جہنم رسید ہوگا۔

اسبال سے ممانعت کے سلسلہ میں احادیث میں ازار (یعنی لنگی) اور عمامہ (پگڑی) کے الفاظ آتے ہیں، سراویل پاجامہ، پینٹ، لمبا کرتا، جبہ، قبا، وغیرہ تمام انواع واقسام کے لباس اس ممانعت میں داخل ہوں گے۔

اسلئے تمام مسلمانوں کو اس منکر سے پرہیز کرنا چاہیئے، اور یہ حقیقت مدنظر رکھنی چاہیئے کہ اسبال ازار چاہے جذبہ کبر و نخوت سے ہوا ور چاہے بطور عادت، نماز کے اندر اور نماز کے باہر یہ ممنوع اور حرام ہے۔

صرف عورتوں کو کبر و نخوت کے جذبے سے پاک ستر کے چھپانے کیلئے ٹخنے سے نیچے ایک بالشت تک کپڑا لٹکانے کی اجازت دی گئی ہے

مخصوص حالات میں مخصوص لوگوں کے احکام عام لوگوں کے احکام سے ہٹ کر بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس پر قیاس کرنا اور اسکو قابل تقلید سمجھنا جائز نہ ہوگا، جیسے کوئی نحیف و کمزور آدمی جس کے بدن پر کپڑا ٹکے نہ، بلکہ سرک سرک جائے، تو اسکے لئے بے خیالی میں ایسا ہونا کوئی ہرج نہیں۔ لیکن اسکو اس کا خیال کرنا چاہیئے۔ یا کوئی ایسا آدمی جو کسی زخم یا مرض کی بنا پر ٹخنے سے نیچے کپڑا استعمال کرنے پر مجبور ہو تو ضرورت تک اسکے لئے یہ جائز ہوگا۔

ضروری گزارش

جامعہ سلفیہ بنارس کے جملہ فارغین کرام سے گزارش ہے کہ وہ جامعہ کو اپنے موجودہ پتہ سے مطلع کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ ان سے مراسلت کی ضرورت ہے۔

(دفتر جامعہ سلفیہ)

AsliAhleSunnet.com

افتتاحیہ

کل ہند شبان اہلِ حدیث کنونشن

۲۸، ۲۹ صفر ۱۴۱۰ھ، ۳۰ ستمبر، یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء کی تاریخوں میں دہلی کے معروف سپرو ہاؤس ہال میں شبان اہل حدیث کا آل انڈیا کنونشن منعقد ہوا، یہ اہلِ حدیث کا پہلا شبان کنونشن تھا جو مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کی زیر سرپرستی کل ہند پیمانہ پر منعقد ہوا، معلوم ہوا ہے کہ جمعیۃ کے ذمہ داران کے علاوہ ملک کے گوشہ گوشہ سے شبان اہلِ حدیث کے نمائندے ہزاروں کی تعداد میں اکٹھا ہوئے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ دو کروڑ نفوس پر مشتمل سلفیان ہند کے یہ جواں سال جیالے مسلک عمل بالکتاب والسنۃ کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے باضابطہ طور پر میدان عمل میں اترنے کے لئے آمادہ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جوانان اہل حدیث اپنا ایک امتیاز و تشخص رکھتے ہیں وہ تمام اہل اسلام میں وہی مقام رکھتے ہیں جو اہل اسلام کو دیگر اقوام وملل کے مقابل حاصل ہے، وہ ہر نسبت اور ہر اطاعت سے پہلے ابناء الاسلام ہیں وہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید کے بیٹے ہیں، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے بڑھ کر اور اس سے کم تر انہیں کوئی چیز مطلوب نہیں، ان کا یقین کامل ہے کہ انسانیت کی تکمیل وعروج اور اقوام عالم کے مابین صلح وامن کا خواب اسوۂ رسول عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا، بعثت رسول عربی ہی حقیقی حریت کا آفتاب تھا، پندرہ صدیوں میں دنیا کی بہت سی قومیں اس سے متاثر ہو کر تمدن اور اجتماعیت کے بلند مقام پر پہونچ گئیں، امت مسلمہ جس نے اس پیغام کو قبول کیا تھا شخصیت پرستی کے چھوٹے چھوٹے دائروں میں سمٹ کر رہ گئی اور رسالت محمدی کی آفاقیت اسکی نظروں سے اوجھل ہو گئی، مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر محترم نے اپنے خطبۂ صدارت میں بجا ارشاد فرمایا ہے:

AsliAhleSunnet.com

"ہم نظریۂ عمل بالکتاب والسنہ کے داعی ہیں، اور آج زمانہ کو اسی دعوت کی تلاش ہے کیونکہ دیگر اصول و مقاصد زمانہ کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں، آج کا ذہن شخصیت پرستی و جانبداری کا قائل نہیں ہے، وہ چاہتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جن عقائد و احکام کی تعلیم دی تھی وہی اس کے سامنے پیش کئے جائیں اور انہیں کی سب کو دعوت دی جائے۔"

انسان کی عمر میں شباب کا مرحلہ امتیازی اوصاف کا حامل ہوتا ہے، کتنی مخفی قوتیں جو فطرت الٰہی نے ودیعت کی ہیں عمل کا روپ اختیار کرنے کے لئے بیتاب ہوتی ہیں، جسم کے تمام ظاہری و باطنی قویٰ تازہ دم ہوتے ہیں، راحت و سکون سے گھبراہٹ اور جہد مسلسل میں لذت ملتی ہے۔ خوشی اسی میں ہوتی ہے کہ اپنے جسم و جان اور روح و ایمان کے خزانے دوسروں میں لٹادیں، یہ قوتیں جب علم کے لئے بیتاب ہوتی ہیں تو حبر الامت اور امیر المومنین فی الحدیث جیسی شخصیات کے روپ میں نمایاں ہوتی ہیں اور جب سب کچھ لٹا دینے کیلئے بیقرار ہوتی ہیں تو غازیان بدر، شیخ الاسلام الحرانی، شہیدان بالاکوٹ و سرحد اور شیخ الاسلام امرتسری جیسی شخصیتوں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں، ان قوتوں کو روبعمل آنے کے مواقع جب فراہم نہیں ہوتے تو مختلف نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر تنگنائیوں میں فنا ہو جاتی ہیں یا آڑے ترچھے راستوں پر چل کر زندگی کے ایام گذار دیتی ہیں عمر کے اس مرحلہ میں چونکہ زندگی کے بہت سے نشیب و فراز سے واسطہ نہیں پڑتا یا زندگی کے مختلف مراحل کے سرد و گرم چکھنے کے تجربات نہیں ہوتے اسلئے تجربہ کار بزرگوں اور قائدوں کی ضرورت لازمی ہوتی ہے جنکی مشفقانہ رہنمائیوں سے جہد و عمل کے مشاکل اور نشیب و فراز کے عقدے حل کئے جائیں۔

نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ کا آفتاب انسانی معاشرت کی جن تاریکیوں سے نبرد آزما ہو کر افق عالم پر نمودار ہوا تھا وہ اسوہ اور وہ حالات ہمارے سامنے ہیں، اسی آفتاب سے کسب ضوء کر کے ہم ظلمات زندگی کی وادیاں تاقیامت قطع کرتے رہیں گے، ہندوستان میں جماعت اہل حدیث نے سلف صالحین کے طریق دعوت و عمل کو حرز جاں بنا کر اس کے گوشہ گوشہ میں قال اللہ قال الرسول کے غلغلے بلند کئے بلکہ جہاد کے عظیم الشان کارناموں کے ذریعہ اسلام کی حقیقی روح اس سرزمین کی آب و ہوا میں تحلیل کر دی، دعوت و عمل اور جہاد کے اس مقدس قافلہ میں شیخ و شاب ساتھ ساتھ تھے اور اسلام کو یہی مطلوب بھی ہے، لیکن حالات کے تقاضوں کی بناء پر مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے موجودہ بزرگ قائدین نے یہ تجویز فرمایا کہ جوانوں کی اصلاحی و دعوتی تربیت کیلئے ان کی ایک مستقل تنظیم "جمعیۃ شبان اہل حدیث ہند" کا قائم ہونا مفید رہے گا محترم قائم مقام ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ نے استقبالیہ کلمات میں فرمایا ہے:

AsliAhleSunnet.com

" عمائدین جمیعۃ کا یہ فیصلہ وقت کی ایک اہم ترین ضرورت کی تکمیل ہے، ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ اس سے نوجوانوں میں خود اعتمادی پیدا ہوگی، ان کی دینی واخلاقی زندگی میں جلا پیدا ہوگی، نظم سے وابستگی ان میں چستی و توانائی لائے گی، اور سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ آگے چل کر وہ تحریک کے دست وبازو بن سکیں گے، آج جماعت کو ان شاہین صفت نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ہر مفاد سے بلند ہوکر خالص اسلام کے لئے کام کریں اور ہر تعصب سے آزاد ہوں۔"

اس سلسلہ میں محترم امیر جمیعۃ ہند کے حکیمانہ مشورے مشعلِ راہ ہیں، فرماتے ہیں:

" اس طرح کا کوئی بڑا اقدام کرتے ہوئے ہمیں اپنے بنیادی اصول ومقاصد، جماعتی روایات ومزاج اور بزرگوں کے طریقہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے، ہماری دعوت اور ہمارے مقاصد میں اصالت ہے اسلئے ہمارے اقدامات میں بھی اصالت کی ضرورت ہے، دیگر ذیلی تنظیموں کے عروج وزوال کے احوال اور آثار وعواقب کو نظر میں رکھنا چاہیئے، جماعتی نظم وضبط اور اتحاد وتعاون کی روح کا تحفظ بہر قیمت کرنا چاہیئے، ہم اللہ کے دین کی اشاعت، جماعت کی ترقی اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے نیک نیتی سے یہ تنظیم قائم کر رہے ہیں اسلئے کسی موڑ پر اگر یہ محسوس ہو کہ اس تنظیم سے فائدہ کے بجائے نقصان یا اصلاح کے بجائے خرابی پیدا ہو رہی ہے تو پوری فراخ دلی کے ساتھ اس سے دست بردار ہو جانا چاہیئے اور کشمکش کا ایسا ماحول نہیں پیدا کرنا چاہیئے جس سے دین وجماعت کو نقصان پہنچے۔"

شبان کا یہ کونشن اور مستقل تنظیم اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے ہمیں کتاب وسنت کا صحیح علم اور سلف صالحین کے مسلک کے صحیح ادراک کی توفیق نصیب ہو، ہم ہر طرح کی گروہ بندی سے محفوظ رہیں، اسلامی اخوت کے عالمگیر دائمی ضابطہ کی پابندی کرتے ہوئے دلوں کے آبگینوں کی حفاظت کریں، اپنی سیرت وکردار میں استواری پیدا کریں اور سب سے اہم یہ کہ کتاب وسنت پر مبنی تمام احکام میں امیر کی اطاعت کریں۔

AsliAhleSunnet.com

تحریر ڈاکٹر عبدالرحمٰن عبدالجبار الفریوائی ترجمہ ابن حبیب اشرف

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا علمی مقام

اور علماء کے تعریفی کلمات

شیخ الاسلام کی مساعی اور کارنامے آپ کے دور میں اور آپ کے بعد کے دوار میں ایک مکتب فکر کی حیثیت رکھتے ہیں جو عصر محدثین کے خاتمہ کے بعد قوی ترین مکتب فکر سمجھا جاتا ہے۔

شیخ الاسلام کے دور سے لے کر ہمارے زمانہ تک تمام سلفی تحریکات کا قیام شیخ الاسلام اور آپ کے تلامیذ ہی کے افکار پر ہوا ہے چنانچہ یہ بات بجا طور پر کہی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے اس مکتب فکر کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے جس سے سلف صالحین کے مذہب تک پہونچا جا سکے، اور اللہ کا فضل اور اس کا احسان و کرم ہے کہ روز بروز یہ مکتب فکر ترقی کر رہا ہے اور اسکے آفاق میں وسعت وازدھار پیدا ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے امام احمد بن طرخان ملکاوی متوفیٰ ۸۰۳ھ کا یہ قول صحیح کر دکھایا کہ: ہر صاحب بدعت اور اس کا تعاون کرنے والے اگر غالب آجائیں تو ان کا مٹنا اور برباد ہونا ضروری ہے جیسے جیسے زمانہ گزرتا جائے گا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی عظمت نمایاں ہوتی جائے گی اور ان سے محبت کرنے والے اور ان کے اصحاب کی کثرت ہوتی جائے گی۔ (۱) ۴

شیخ الاسلام کا علمی مقام اور علماء کے تعریفی کلمات

شیخ الاسلام کے معاصر علماء سے لے کر ہمارے اس دور تک اہل علم کا اتفاق ہے کہ موصوف درجہ امامت پر فائز اور علم و فضل، زہد و ورع اور اخلاق حسنہ کے اعتبار سے تفوق اور امتیاز کے حامل تھے، اللہ نے ظاہری اور باطنی نعمتوں کا آپ پر فیضان کیا تھا، اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے آپ کی سیرت پر مستقل کتابیں تحریر کی ہیں اور تراجم و سیر کی کتابوں میں آپ کی حیات اور کارناموں کے تذکرے لکھے ہیں:

AsliAhleSunnet.com

موصوف اپنی زندگی ہی میں اور موت کے بعد بھی شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور ہوئے (۲) چنانچہ مطلق طور پر جب اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے تو اہل علم کے نزدیک اس سے مراد ابن تیمیہ ہوتے ہیں خاص طور سے ان لوگوں کے یہاں جو اس سلفی سے انتساب رکھتے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن الصفی عثمان بن الحریری الانصاری حنفی قاضی القضاۃ مصر و شام فرماتے ہیں:

اگر ابن تیمیہ شیخ الاسلام نہیں ہوں گے تو پھر کون ہوگا؟! (۳)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثل اور قوی حافظہ عطا فرمایا تھا جو علم کی اساس ہے، گہرائی، قوت فکر و نظر

اللہ تعالےٰ نے آپ کو حاضر جوابی و برجستہ گوئی، حریتِ فکر، طلب حق میں اخلاص، ہوائے نفس کی تلویث سے پاکیزگی فصاحت و بلاغت، قدرت بیان و توضیح، شجاعت، صبر، قوت ضبط و حلم، فراست و دانائی اور شخصی ہیبت کے بلند اوصاف سے متصف فرمایا تھا۔

شیخ الاسلام کے دشمنوں نے بارہا آپ کو اذیت دینی چاہی بلکہ مار ڈالنا چاہا، لیکن موصوف نے قدرت پانے کے بعد انہیں یہ کہتے ہوئے معاف فرمایا کہ میری طرف سے انہیں کوئی گرفت نہیں ہے، مالکی قاضی زین الدین ابن مخلوف اس کے بعد کہا کرتے تھے: ہم نے ابن تیمیہ سے زیادہ متقی کسی کو نہیں دیکھا، ہمارے لئے ان کیخلاف کسی کوشش کی گنجائش ہی نہیں رہی، جب بھی انہیں ہمارے اوپر قدرت حاصل ہوئی ہمیں معاف کر دیا (۱) کہنے والے نے کتنا سچ کہا ہے " فضل وہ ہے کہ دشمن بھی جس کی شہادت دیں حق بات کے لئے سلطان حکام علماء اور مشائخ سے مقابلہ کرنے میں کبھی تردد نہیں کیا، منصب و جاہ کے حصول سے ہمیشہ پرہیز کیا۔

---

(۱) الرد الوافر (۱۳۴)

(۲) الرد الوافر علی من زعم بأن من سمی ابن تیمیہ شیخ الاسلام کافر، اس کتاب کے مؤلف نے صفحہ ۸۷ میں ان ائمہ اسلام کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام کا لقب دیا، اس کی بعض مثالیں آپ کی مرویات و مسموعات کے ذکر میں آئیں گی

(۳) الرد الوافر (۹۸)

AsliAhleSunnet.com

علماء افاضل نے آپ کی شان میں جو تعریفی کلمات کہے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں، یہاں ہم چند ائمہ کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں اور خاص طور سے ایسے اقوال جن کا تعلق شیخ الاسلام کی حدیث اور علوم حدیث میں مہارت سے ہے۔

(۱) ابن دقیق العید متوفی ۷۰۲ھ نے مصر میں ۷۰۰ھ میں شیخ الاسلام سے ملاقات کے بعد فرمایا تھا میں نے جب ابن تیمیہ سے ملاقات کی تو انہیں ایک ایسا آدمی پایا کہ تمام علوم جس کی آنکھوں کے سامنے تھے جو چاہتے لے لیتے اور جو چاہتے چھوڑ دیتے تھے۔

(۲) ابن سید الناس یعمری متوفی ۷۳۴ھ حافظ مزی کا ترجمہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: انہوں نے مجھے شیخ الاسلام تقی الدین سے ملاقات کا شوق دلایا، میں نے انہیں ایسے لوگوں میں سے پایا جنہیں تمام علوم سے حظ وافر ملا تھا، وہ تمام سنن اور آثار کے بالاستیعاب حافظ تھے، اگر تفسیر میں گفتگو فرماتے تو اس کے سرخیل لگتے تھے، فقہ میں فتویٰ دیتے تو اس کے منتہی معلوم ہوتے، اور حدیث کا مذاکرہ کرتے تو اسکے صاحب علم وروایت تھے۔ (۳)

(۳) برزالی کہتے ہیں: بہت بڑی جماعت نے ان سے حدیث کا سماع کیا، انہوں نے خود بہت زیادہ پڑھا اور حدیث کی طلب کی، بہت سی کتابیں نقل کیں اور مدتوں سماع حدیث کرتے رہے، جو کچھ بھی سنا اسے حفظ کرلیا، اور فن حدیث کے تو سرخیل تھے، احادیث کے حافظ تھے، صحیح وسقیم میں امتیاز رکھتے تھے، رجال حدیث کی گہری معرفت رکھتے تھے اور علوم حدیث کے ماہر تھے۔

نیز فرماتے ہیں میرے اور ان کے درمیان بچپن سے محبت اور مصاحبت تھی۔

نیز فرماتے ہیں: آپ ایسے امام ہیں جن کے فضل وشرف اور دینداری پر اجماع ہے، آپ نے قرآن پڑھا اور اس میں مہارت حاصل کی، علوم عربیت واصول میں طاق تھے، تفسیر وحدیث کے علوم میں یکتا تھے اور ہر چیز میں آپ ایک ایسے امام تھے کہ آپ کے گرد راہ کو بھی نہیں پہونچا جاسکتا۔ (۱)

---

(۱) العقود الدرية (۲۸۳)

(۲) ذيل طبقات الحنابلة (۲/۳۹۲) والشهادة الزكية (۲۹)

(۳) العقود الدرية (۱۰) والشهادة الزكية (۲۶) المعجم المختص (ورق ۷) الدرر الكامنة (۱/۱۵۶) ذيل طبقات الحنابلة (۲/۳۹۰) الرد الوافر (۵۷)

AsliAhleSunnet.com

(۴) حافظ مزی متوفی ۷۴۲ھ کہتے ہیں: میں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی، اور نہ خود انہوں نے اپنا مثل دیکھا، میں نے ان سے بڑھ کر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم اور دونوں کی اتباع کرنے والا نہیں دیکھا (۲)

(۵) ابن عبدالہادی متوفی ۷۴۴ھ کہتے ہیں: آپ نے بارہا مسند امام احمد کا سماع کیا، کتب ستہ اور بہت سے اجزاء کا سماع بھی کیا، آپ کے مسموعات میں سے معجم طبرانی کبیر بھی ہے، اور آپ نے حدیث اور علوم حدیث سے شغف کیا، ان کی کتابیں پڑھیں اور انہیں قلم بند بھی کیا۔ (۳)

نیز فرمایا! آپ نے از خود بہت زیادہ پڑھا، حدیث کی طلب کی، حدیث کی اہم کتابیں قلم بند کیں، اور مدتوں سماع کرتے رہے، آپ نے جملہ علوم میں اشتغال پیدا کیا، حدیث کے آپ حافظ تھے، صحیح وسقیم کا امتیاز رکھتے تھے، رجال اسناد کی معرفت حاصل تھی اور اس فن میں ماہر تھے۔ (۴)

(۶) امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے اپنی کتاب الامصار ذوات الآثار میں دمشق کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

تیسری صدی ہجری تک یہاں علماء حدیث کی بڑی تعداد موجود تھی لکھا ہے کہ یہ قرآن وحدیث اور فقہ کا مرکز تھا چوتھی صدی اور پانچویں صدی میں یہاں علم کی کمی ہوگئی تھی لیکن بعد میں پھر اضافہ ہوگیا، خصوصاً نورالدین کے دور حکومت اور محدث دمشق ابن عساکر کے عہد میں نیز یہاں فروکش ہونے والے مقدسیوں کے زمانہ میں، پھر ابن تیمیہ اور مزی اور ان کے اصحاب کے ذریعہ اس میں بڑا اضافہ ہوا (۱)

نیز فرمایا: کسی مسئلہ پر دلالت کرنے والی آیات کے لئے سرعت استحضار میں میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا، یہی ملکہ انہیں متون احادیث کے استحضار اور ان کو ان کے مراجع کی طرف انتساب میں بھی حاصل تھا گویا تمام مراجع ہر وقت ان کی نظروں کے سامنے اور نہایت لطیف اور شیریں عبارت میں ان کی نوک زبان پر ہوتے تھے۔ (۲)

---

(۱) العقود الدرية (۱۲) البداية والنهاية (۱۴/۱۳۵) شيخ الاسلام ابن تيمية سيرته واخباره (۱۱۸۰ – ۱۱۹)

(۲) العقود الدرية (۷)

(۳) 〃 (۳)

(۴) 〃 (۲،۳)

AsliAhleSunnet.com

نیز ایک مقام پر لکھتے ہیں : حدیث میں ان کے سماعات بہت زیادہ ہیں، آپ کے شیوخ کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے، تفسیر میں آپ کی معلومات حد کمال تک ہے، حفظ حدیث، رجال اسناد اور صحت وسقم روایات میں آپ کے درجہ تک نہیں پہونچا سکتا (۳)

المعجم المختص میں لکھتے ہیں: آپ نے اسلاف کی کتابیں قلم بند کیں، مطالعہ کیا، انتخاب کیا، اور علوم اسناد و متن میں فائق و ممتاز ہوئے، آپ نے درس بھی دیا، فتویٰ بھی تحریر فرمایا، کلام اللہ کی تفسیر بھی کی اور نہایت نادر کتابیں تصنیف فرمائیں، آپ نے بہت سے ایسے مسائل پر بھی رسائل تصنیف فرمائے جن کے سبب آپ کو مشکلات سے دو چار ہونا پڑا، آپ انسان تھے گناہ اور خطا عین ممکن ہے لیکن اس کے باوجود واللہ میری آنکھوں نے ان کی نظیر نہیں دیکھی اور نہ خود انہوں نے اپنا مثل دیکھا، آپ علوم دینیہ میں ایک متبحر امام تھے، صحیح الذہن سریع الادراک اور تیز فہم تھے، آپ کے محاسن بہت زیادہ ہیں، آپ فرط شجاعت وکرم سے متصف تھے، کھانے پینے اور جماع کی لذتوں سے بے پرواتھے، علم کی اشاعت اسکی تدوین اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کے سوا آپ کے لئے کسی اور چیز میں لذت نہ تھی (۴)

دوسری جگہ لکھتے ہیں: مذاہب صحابہ وتابعین کی معرفت میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، کسی مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے اکثر مذاہب اربعہ کا ذکر فرماتے تھے، معروف مسائل میں آپ نے ائمہ اربعہ کی مخالفت بھی کی ہے اور اس سلسلہ میں رسائل تصنیف فرمائے ہیں، اور ان کے متعلق کتاب وسنت سے دلیلیں پیش کی ہیں

اسکندریہ کے دور اسیری میں صاحب "سبتة" نے آپ سے التماس کیا کہ انہیں اپنی مرویات کی اجازت مرحمت فرمائیں اور ان کے اسماء تحریر فرمادیں تو شیخ الاسلام نے دس اوراق میں اپنے حافظہ سے مع اسانید کے انہیں تحریر فرمادیا جب کہ کوئی بڑا محدث بھی ان میں سے بعض کو بھی پیش کرنے سے عاجز رہ جائے گا۔

رجال اسناد، جرح وتعدیل، طبقات رواۃ، علم وفنون حدیث، عالی ونازل، صحیح وسقیم اور حفظ متون میں

---

(۱) الامصار ذوات الآثار (۲۳-۲۷) امام سخاوی نے اسے الاعلان بالتوبیخ (۶۶۲) میں نقل کیا ہے۔

(۲) سیرة شیخ الاسلام عند المؤرخین (۲۷)

(۳) العقود الدرية (۲۳) الشهادة الزكية (۳۰)

(۴) المعجم المختص للذهبي (ورق ۷)

AsliAhleSunnet.com

آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، اس دور میں کوئی ان کے رتبہ کا نہیں بلکہ اسکے قریب بھی نہیں، دلائل کے استحضار اور استخراج میں وہ عجیب قوت رکھتے ہیں کتب ستہ اور مسانید کی طرف احادیث کے انتساب میں انہیں کمال حاصل ہے چنانچہ یہ قول ان پر صادق آتا ہے کہ: ہر وہ حدیث جسے ابن تیمیہ نہ جانتے ہوں وہ حدیث ہی نہیں ہے، لیکن احاطہ صرف اللہ کے لئے ہے البتہ ابن تیمیہ سمندر سے سیرابی حاصل کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ سوتوں سے۔

سالہا سال سے وہ کسی معین مذہب پر فتویٰ نہیں دیتے ہیں بلکہ ان کے نزدیک جس بات پر دلیل قائم ہو جائے اسی کا فتویٰ دیتے ہیں۔

آپ نے سنت رسول اور طریقہ سلف کی نصرت وتائید فرمائی ہے اور اسکے لئے براہین اور مقدمات اور ایسے امور سے حجت پکڑی ہے جس کی مثال نہیں ملتی ہے، نصرت حق کے لئے ایسی عبارتیں پیش کی ہیں کہ جس کے ڈر سے اگلوں اور بعد والوں کے قدم پیچھے ہٹ گئے لیکن آپ پوری جسارت سے اس پر جمے رہے، علماء مصر وشام کی ایک بڑی جماعت آپ کی مخالفت پر اس طرح تل گئی کہ اس سے زیادہ کی بھی نہیں جاسکتی، آپ کو بدعتی قرار دیا گیا، مناظرات ٹھانے گئے اور آپ کی مخالفت میں رسائل تحریر کئے گئے، لیکن بغیر کسی مداہنت کے آپ اپنے موقف پر ثابت قدم رہے اور حق بات کہتے رہے جو لوگوں کو کڑوی لگتی تھی، آپ کی قوت اجتہاد، تیزی ذہن اور سنن واقوال میں آپ کے علم کی وسعت ورع وتقویٰ، کمال فکر، وسعت ادراک، اللہ کے ڈر اور اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کا تقاضا یہی تھا کہ آپ جو کچھ کہتے بے لاگ کہتے۔ چنانچہ آپ اور ان علماء کے درمیان جنگ برپا ہو گئی، مصر وشام دونوں اس کے میدان تھے، بارہا ایسا ہوا کہ اکیلے ابن تیمیہ پر سب نے مل کر تیر چلایا، لیکن اللہ نے انہیں نجات بخشی، یقیناً آپ بہت زیادہ اللہ سے رجوع رکھنے والے اور مشکلات میں اسی کی مدد طلب کرنے والے تھے، اللہ پر آپ کا توکل بہت قوی تھا اور آپ بڑے بہادر تھے۔

دوسری طرف ایسے علماء صلحا، اہل لشکر، امراء، تجار، رؤساء تھے جو آپ سے محبت کرتے تھے، اور عوام کی اکثریت آپ سے محبت کرتی تھی اسلئے کہ رات دن اپنی زبان وقلم سے ان کی نفع رسانی

AsliAhleSunnet.com

عربی و دینی نصاب تعلیم میں اصلاح کیوں اور کیسے

ڈاکٹر محمد اقبال حسین ندوی شعبۂ عربی سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لنگویجز حیدر آباد

> یہ مقالہ "قومی سیمینار برائے اصلاح نصاب تعلیم مدارس دینیہ" منعقد ۶ تا ۸ اکتوبر ۱۹۸۹ء ... حیدر آباد میں پڑھا گیا۔

کسی بھی قوم وامت کی ترقی کاراز اسکی علمی ترقی میں مضمر ہے۔ اسکی تہذیب وثقافت کی نشوونما اور بقاء علم کی ترقی پر منحصر ہے۔ اور کسی بھی قوم اور امت کی ترقی اور اس کا اعزاز اس قوم کی علمی ترقی وعلمی کارناموں سے جانا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔ اس طرح اس قوم کو دنیا یاد رکھتی ہے جس قوم کے علمی سرمائے اور علمی کاوشوں نے علم میں اضافہ کیا ہے۔ اور اس قوم کی اس عہد کی تاریخ زیادہ واضح تصور کے ساتھ موجود رہتی ہے جس کے علمی دبستانوں نے علم کا چراغ روشن رکھنے کے ساتھ علم کے پودے کو زیادہ سے زیادہ سر سبز وشاداب رکھنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ سے قبل دنیا کی بہت سی قومیں اس سرزمین پر آباد تھیں۔ لیکن آج کا انسان یونان کی علمی سرگرمیوں، کارناموں اور ثقافتی ترقی سے ہی واقف ہے اور ان سے متعارف ہے۔ اسلئے کہ ان کے علمی اختراعات اور علمی نشوونما نے دنیا کو علوم وفنون سے نوازا ہے۔ اسی طرح عربوں کا سنہرا دور عہدِ عباسی کو سمجھا جاتا ہے اسلئے کہ علم کی نشوونما اور ترقی جس قدر اس عہد میں ہوئی اس کے بعد کبھی نہیں ہوئی، محض سیاسی اقتدار کسی قوم کی ناموری کا سبب نہیں بنتا ہے۔ اور نہ ہی کسی قوم کا اخلاقی معیار اس سے بلند ہوتا ہے۔ جس علمی ترقی کا آفتاب نصف النہار تک عہد عباسی میں پہنچا اس کی ابتداء عہد اموی میں ہوئی۔ قرآن کریم کی تلاوت، مطالعہ، معانی ومفاہیم پر غور وفکر، لغات کی تحقیق، معجزانہ اسلوب پر غائرانہ نظر ڈالنے اور اس کے مابہ الامتیاز خصوصیات

AsliAhleSunnet.com

کی تلاش وتفکر نے مختلف علوم وفنون کو وجود بخشا۔ صرف، نحو، بلاغت اور تفسیر جیسے علوم عربی زبان میں عالم وجود میں آئے، اور نصاب تعلیم کا جز بن گئے۔ لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ ان علوم کو وجود بخشنے ان علوم کی خشت اول رکھنے اور ان کو پروان چڑھانے کے لئے اہل علم نے دوسری زبانوں کے علوم سے بھی استفادہ کیا۔ علمی تحقیق اور غور وفکر کے بعد انہوں نے ان علوم کو فن کے مرتبہ تک پہنچایا ان اہلِ علم میں خلیل بن احمد فراہیدی کا نام سرفہرست ہے۔ سیبویہ کی الکتاب جو عربی قواعد کی پہلی مرتب کتاب ہے اس کا بڑا حصہ اور فنی اصطلاحات خلیل بن فراہیدی کی دین ہے۔ اور عربی زبان کی پہلی لغت "کتاب العین"، جو خلیل ابن احمد فراہیدی کی طرف منسوب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے حروف تہجی کی ترتیب کے لئے سنسکرت کی لسانیات اور قواعد کے ڈھانچے کو سمجھنے کے لئے سنسکرت سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا، اسکی تفصیل احمد امین کی کتاب ضحی الاسلام میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اور تراجم کی متداول کتابوں میں بھی اسکے تذکرے ملتے ہیں۔ اسکے علاوہ زندگی کی ضروریات، شب وروز کے تقاضے اور مسائل ومعاملات نے تدوین حدیث کے کام پر مجبور کیا، اصول حدیث وجود میں آیا۔ فقہ اور اصول فقہ مرتب کرنے اور وضع کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اہل علم نے خاص طور سے اس دور کے لحاظ سے جو بھی ممکنہ مسائل ہو سکتے تھے انکا استنباط کیا۔ علم بلاغت جو قرآن کریم کے بلاغی نکات کی تلاش وتحقیق کی وجہ سے وجود میں آیا۔ اس علم کے وضع کرنے والوں میں خاص طور سے جاحظ نے یونانی بلاغت سے استفادہ کیا۔ مجھے یہ قصۂ پارینہ دہرانے کی ضرورت اسلئے پیش آئی کہ اس دور کے عباقرہ اور یگانۂ روزگار علماء کو کسی نصاب تعلیم یا درسگاہ نے تیار نہیں کیا بلکہ علماء کی ذاتی درسگاہوں میں مروجہ طریقہ پر انہوں نے عربی زبان کو سیکھنے اور اس پر قدرت حاصل کرنے کے لئے تاریخ، انساب وسیر اور اشعار کی تعلیم پہلے حاصل کی، پھر مختلف فنون کے مختلف ماہرین سے فنون کی تکمیل کی، ماہرین فنون کا مسند درس مسجدوں کے صحن، خانقاہوں کے حجرے، اور انکے ذاتی مکانات پر بچھتا تھا۔ اور انہی کی صحبتوں میں دینی وثقافتی تربیت بھی ہوتی تھی۔ فقہ کے تمام ائمہ، محدثین، مورخین ادباء، وشعراء اس طرز تعلیم کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے۔

جہاں تک باقاعدہ درسگاہ کے قیام کی بات ہے بقول ابن خلکان اسلامی دنیا میں جس نے پہلے مدرسہ کی بنیاد ڈالی وہ حکومت سلجوقیہ کا نامور وزیر اعظم نظام الملک طوسی تھا، بغداد میں ۴۵۷ھ میں مدرسہ نظامیہ کی بنیاد رکھی، جس میں ۴۵۹ھ میں تعلیم شروع ہوئی، مدرس اول اس وقت کے نامور استاد ابو اسحٰق شیرازی مقرر ہوئے۔ (تفصیلات ابن الاثیر کی الکامل، سیوطی کی تاریخ الخلفاء اور تاریخ ابن خلکان میں دیکھی جاسکتی ہیں) لیکن تحقیق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس سے قبل عباسی خلیفہ مامون نے مدرسہ قائم کیا تھا، بقول سیوطی اور سبکی دو مدرسے مدرسہ بیہقیہ اور مدرسہ

AsliAhleSunnet.com

سعدیہ نیشا پور میں اس سے قبل قائم ہو چکے تھے۔ طوسی نے مدرسہ نظامیہ کے علاوہ مختلف مقامات پر پچاسوں مدرسے قائم کئے اور خاص بات یہ تھی کہ ہر ایک مدرسہ میں ایک عظیم کتب خانہ بھی قائم کیا گیا تھا۔ اور اساتذہ ایسے افراد مقرر کئے گئے جو یکتائے فن اور یگانۂ روزگار تھے۔ نظام الملک نے جو مدرسہ قائم کیا اس کا مقصد محض علم و فن کی ترویج و اشاعت اور ثقافتی ترقی نہیں تھی بلکہ اسکے ساتھ عظیم مقصد دین کی خدمت بھی تھا، اور اسکی نشر و اشاعت بھی۔ جو واقعی کسی بھی عربی مدرسہ کا بنیادی مقصد ہونا چاہیئے۔ علامہ شبلی رقمطراز ہیں:

"نظام الملک نے جو صرف کثیر مدارس وغیرہ کے لئے شاہی خزانہ سے مقرر کیا تھا، اس پر ملک شاہ کو بھی خیال ہوا۔ اور اس نے نظام الملک کو بلاکر اپنے معمولی طریقے کے موافق کہا کہ "پیارے باپ اس قدر زر کثیر سے تو ایک فوج مرتب ہو سکتی ہے، جن لوگوں پر آپ یہ فیاضیاں کر رہے ہیں ان سے ایسا بڑا کام کیا نکل سکتا ہے، نظام الملک نے کہا جان پدر! میں تو بوڑھا ہوں، لیکن تم جو ایک نوجوان ترک ہو، اگر بازار میں بیچنے کے لئے کھڑے کئے جاؤ تو امید نہیں کہ تیس دینار سے زیادہ تمہاری قیمت اٹھے، اس پر خدا نے تم کو اتنا ملک عنایت کیا، کیا اسکا اتنا شکر یہ بھی تم ادا نہیں کر سکتے، تمہاری فوج کے تیر چند قدم پر کام دے سکتے ہیں، لیکن میں جو فوج تیار کر رہا ہوں اسکی دعاؤں کے تیر آسمان کی سیر سے نہیں رُک سکتے" ملک شاہ بیساختہ بول اٹھا، کہ مرحبا پیارے باپ ایسی فوجیں جس قدر ممکن ہوں اور تیار کرنی چاہیئے"

(مقالات شبلی جلد دوم ص ۴۲)

لیکن جب ماوراء النہر کے علماء کو نظامیہ کے قیام کی اطلاع ملی تو انہوں نے ایک مجلس ماتم منعقد کیا اور اس بات پر روئے کہ "اب علم علم کے لئے نہیں، بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے گا" نظام الملک طوسی جیسا محقق اور بالغ نظر نے جس ارادے اور نیت سے مدرسہ قائم کیا تھا، اور اس وقت کے علماء ماوراء النہر نے جس نظر سے دیکھا دونوں کے بیان سے ظاہر ہے کہ نظام الملک طوسی کے سامنے بھی مقصد دینی اور عربی تعلیم تھا، لیکن اسکی قوتِ فکر، علوم کی خدمت کے جدید انداز فکر نے تعلیمی نظام کو منظم اور مستحکم کرنے پر آمادہ کیا۔ اور علماء ماوراء النہر کی قوت فکر اس سے آگے سوچنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی کہ تعلیمی نظام کی کوئی اور منظم و بہتر شکل ہو سکتی تھی، اسلئے کہ ہر ایک عالم کا جو مسند درس تھا وہ ابھرتا ہوا نظر آیا۔ مدرسہ کی ملازمت سے انکی شخصیت کی قدر و قیمت جاتی ہوئی نظر آئی، اسلئے وہ اس دور کے نظام تعلیم میں کوئی تبدیلی مداخلت بیجا سمجھتے تھے۔

AsliAhleSunnet.com

اب ذرا اس دور کے نصاب تعلیم پر ایک نظر ڈالیں تو یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ جس طرح علوم وفنون کی ایجاد اور ترقی ہوگئی، فنون ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم بنتے گئے، نصاب تعلیم میں موضوع اور مضامین کے اضافے ہونے کے ساتھ خود تبدیلیاں بھی ہوتی گئیں۔ پہلے دور میں عربوں کے پاس انساب وسیر اور اشعار کے ذخیرے ہی علوم وفنون کی شکل میں موجود تھے اور اسی کی تعلیم پر اکتفا کیا جاتا رہا۔ عہد اموی اور عہد عباسی کے ابتدار تک کتابی درس کا بالکل رواج نہ تھا بلکہ املا کرانے کا رواج تھا، جب صرف ونحو اور بلاغت کا وجود ہوا تو یہ علوم دینی مضامین کے لازم موضوعات کی حیثیت سے پڑھائے جانے لگے، اسکے بعد جب حدیث نبویؐ کی تدوین ہوئی۔ رجال کی تحقیق اور حدیث کی تخریج کے لئے معیار کی تلاش ہوئی تو اصول حدیث واسمار الرجال، اسکے بعد مسائل کے استنباط کی ضرورت پیش آئی تو فقہ اور اصول فقہ وجود میں آئے، پھر یہ تمام مضامین نصاب تعلیم کے جز قرار دیئے گئے۔ عربی زبان پر قدرت حاصل کرنے کی غرض سے اشعار، تاریخ وانساب کی تعلیم حاصل کی جاتی پھر ان دینی مضامین کی تکمیل مختلف فن کے ماہرین سے حاصل کی جاتی۔ پانچویں صدی کے اخیر تک نصاب تعلیم میں یہی مضامین شامل درس رہے۔ اور حصول علم میں مقصود بالذات فن ہوتا تھا نہ کہ کوئی خاص کتاب۔ اس سلسلہ میں خاص بات یہ ہے کہ مدرسہ کے قیام کے بعد بھی نصاب تعلیم میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ذاتی تعلیم گاہوں اور مدرسہ کے نصاب تعلیم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور عام طور سے نحو، بلاغت، لغت فقہ، اصول فقہ، حدیث، اصول حدیث، تاریخ، اسمار الرجال، طبقات ان سے متعلقہ مضامین نصاب تعلیم میں رائج رہے۔ اس عہد تک علمار میں تقلید شخصی کا رجحان نہیں تھا، اس کے بعد تقلید کا رواج شروع ہوا۔ اور علوم کے ایجادات کی قوت سلب ہونے لگی، منطق وفلسفہ جو بعد کی صدیوں میں سر چڑھ کر بولا عرصہ دراز تک نصاب تعلیم میں شامل نہیں کیا گیا۔ اگرچہ یہ علوم تیسری چوتھی صدی ہجری میں کافی ترقی کر چکے تھے۔ یونانی اور ہندوستانی فلسفہ کی وجہ سے جو عقائد کے مباحث سامنے آئے تو علمار نے یہ اجتہادی کوشش کی کہ ان مضامین کو بھی نصاب تعلیم کا جز بنایا تاکہ دینی نقطۂ نظر سے اس منطقی اور فلسفیانہ انداز میں دین کی حفاظت کی جا سکے۔ لیکن فلاسفہ کی تحقیق کے ساتھ درسی کتابوں میں تبدیلی ہوتی رہی، لیعقوب کندی، فارابی، بوعلی سینا، اور قطب الدین رازی ہر ایک کے دور میں درسی کتابوں میں تبدیلی ہوتی گئی۔ اور فلسفہ کے موضوع پر غور وفکر وتحقیق نے الہیات طبعیات اور دوسرے موضوعات جیسے فلکیات، علم رمل وغیرہ کو وجود بخشا، اور یہ علوم بھی نصاب تعلیم میں شریک کئے گئے، گرچہ ان علوم کو علوم دینیہ سے کوئی قریبی ربط نہیں رہا ہے۔ غرض کہ عربی زبان اور علم دین کی تعلیم کے سلسلہ میں جو کچھ بھی کہیں لیکن واقعہ ہے کہ اسکے نصاب تعلیم میں موضوعات

AsliAhleSunnet.com

اور کتابوں کے اعتبار سے ہر دور میں نئے علوم کے ایجاد کے ساتھ تبدیلیاں اور اضافے ہوتے رہے ہیں۔

اب ذرا ہم ہندوستان کی سرزمین پر جو مدارس قائم کئے گئے اور ان میں جو نصاب تعلیم رائج رہا اس پر ایک نظر ڈالیں تو دارالعلوم دیوبند سے قبل کسی بڑے مدرسہ کا قیام نظر نہیں آتا ہے۔ اس سے قبل ذاتی تعلیم گاہوں کا رواج تھا اور عرصہ دراز تک نصاب تعلیم میں منقولات کے مقابلہ میں معقولات کی کتابیں زیادہ تعداد میں درس میں شامل رہیں دارالعلوم دیوبند کے قیام کے مقاصد میں بنیادی مقصد ایسے علماء تیار کرنا تھا جو دین کی ترویج و اشاعت کا کام انجام دیں، ایسے علمی خدمات انجام دینا جس میں ایجادی یا اجتہادی نوعیت ہو اسکے مقاصد میں شامل نہیں رہے۔ اسکے اسباب و وجوہات ہیں اسلئے کہ عالم اسلام میں عثمانی حکومت کے خلاف زبردست بے چینی تھی' ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا، یعنی مسلم شہنشاہیت کی سرپرستی مسلمانوں کے سر سے ختم ہو چکی تھی۔ انگریزوں کی اسلام دشمنی پوری طرح زوروں پر تھی، مسلمان ذلیل و خوار کئے جا رہے تھے۔ ایسے حالات میں اعلیٰ ثقافتی ترقی کے متعلق سوچنا یا ایسی علمی خدمات کے بارے میں جو ایجادات یا اجتہادی نوعیت کی ہو سوچنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ اور ایسے حالات میں جب کہ عیسائیت کی تبلیغ گلی کوچوں تک ہو رہی تھی، اسلئے کہ انکی حکومت تھی، اور حکومت و طاقت کا اثر کسی مذہب یا تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر معاون ہوتا ہے اسے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایسی صورت میں دین کی حفاظت اور دین پر قائم رہنا ہی مسلمانوں کے لئے ایک بڑے امتحان اور صبر آزمابات تھی' بانیان دارالعلوم نے اسکے پیش نظر دین کی خدمت کو بنیادی مقصد قرار دیا۔ اور اسکے حصول کیلئے ملا نظام الدین فرنگی محلی نے جو نصاب تعلیم تیار کیا تھا، اور اسوقت رائج تھا، اسکو جاری کیا اسلئے کہ اس نصاب تعلیم کی خوبی یہ تھی کہ دینی علوم کے ساتھ علوم عقلیہ بھی شامل تھے، جو عیسائی تبلیغ اور اسکے مبلغین کے اسلام مخالف عقائد اور پروپیگنڈے کا جواب دینے کے لئے زیادہ مفید اور کار آمد تھا۔ الاکثر حکم الکل کے اصول کے تحت میں خاص طور سے درس نظامی ہی کا ذکر کر رہا ہوں، اسلئے کہ ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مدارس میں اس طرز کے نصاب تعلیم کا رواج ہے۔ اور عام بھی ہے۔

علوم دینیہ اور علوم عربیہ کے نصاب تعلیم کا یہ ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ذاتی تعلیم گاہوں یا مدارس کے ذرائع آمدنی کیا تھے، اسلئے کہ علم کی ترقی اور نصاب تعلیم کی کامیابی کا ایک گونہ انحصار اس پر بھی ہے، اقتصادی مشکلات اور مالی دشواریوں کے حل ہونے ہی کی وجہ سے علماء نے علم کی عظیم خدمات گذشتہ صدیوں میں انجام دیا۔ اور وہ شب و روز علم کی خدمت اور علوم کے ایجاد میں مصروف رہے۔ انہوں نے اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، سیرو

AsliAhleSunnet.com

وانساب اور منطق وفلسفہ جیسے علوم کو ایجاد کرنے کے ساتھ ایسی کتابیں تصنیف کیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔ اصول حدیث اور اسماء الرجال میں جو اصول وضع کئے، کسی بھی علم کی تحقیق وتنقید کا معیار اس سے زیادہ بلند نہیں ہوسکا۔ اسی طرح فقہ کے وضع کرنے کے لئے جو اصول فقہ وضع کئے گئے اور مسائل کا استنباط کیا گیا قانون سازی میں اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے۔ اسی طرح دوسرے علوم میں جو تحقیق معیار اور ایجاد کا پہلو اپنایا گیا دوسری زبان یا قوموں کی علمی تحقیقات کا معیار اور ایجاد اس سے بہتر نہیں ہے یا اگر ہے تو عربی علوم کی خوشہ چینی کا نتیجہ ہے۔ تو بات یہ ہے کہ مالی دشواریوں سے ان کا ذہن یکسو ہونے ہی کی وجہ سے وہ علمی تاریخ کا زریں باب پیش کر سکے۔ عہد اموی میں بعض اساتذہ طلبہ سے فیس وصول کرتے تھے اسکے بعد تو مسلم امراء وسلاطین نے اہل علم کی علمی خدمات انجام دینے کے لئے وظیفے مقرر کئے۔ اور جاگیریں دی گئیں اور مدرسوں کو بڑی بڑی جائدادیں وقف کی گئیں، ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ہلاکو خاں جس نے تمام اسلامی ممالک کو تاخت وتاراج کیا تھا اس نے بھی ان جاگیروں اور موقوفہ جائدادوں کو علمی خدمات کے لئے باقی رکھا۔ ہندوستان میں بھی وہ علماء جنکی ذاتی درسگاہیں تھیں ان کو بھی امراء وسلاطین نے جاگیریں عطا کیا ۱۸۵۷ء کے قریب تک یہ نظام جاری رہا۔ لیکن انگریزوں نے ان جائدادوں کو غصب کر لیا۔ اور علماء کے لئے مسند درس کا جاری رکھنا دشوار ہوگیا اسلئے کہ طلبہ کی کفالت اور اساتذہ کی اقتصادی ضروریات کی تکمیل ایک ناگزیر مسئلہ بن گیا۔ اسکے بعد جو بھی دینی تعلیمی ادارے وجود میں آئے ان کی آمدنی کا ذریعہ امراء کے متعینہ اقوام یا عوامی چندہ ٹھہرا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد مکمل طور پر عوامی چندہ ہی ان مدارس کی بقاء وترقی کا ضامن قرار پایا۔ یہ ایک انتہائی خوشی کی بات ہے اور کسی قوم کے زندہ رہنے کی قوت وصلاحیت کی علامت ہے اور باعث فخر ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمان علوم دینیہ وعلوم عربیہ کی خدمت کے ضامن خود ہیں کسی کا دست نگر نہیں۔ اور یہ بات ان کے محض دینی جذبہ کی وجہ سے ہے۔

اب یہ بات قابل غور ہے کہ کیا ہندوستان کے مسلمانوں کو دینی تعلیمی اور اقتصادی طور پر ان حالات سے ہی دوچار رہنا چاہیئے اور جس حال میں ہیں اسی کو لائق صد شکر سمجھنا چاہیئے، لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں، ہندوستان کے مسلمانوں کو دینی تعلیمی حالت پر غور کرنا چاہیئے اور خاص طور پر دینی تعلیم کے میدان میں ان کو دنیا کی قیادت کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہیئے، اسلئے کہ جیسا کہ شروع میں میں نے کہا کہ وہی امت اور قوم باعزت وسرفراز اس دنیا میں رہتی ہے جو تعلیم سے آراستہ اور علمی خدمات میں ایجاد واجتہاد کا شرف حاصل کرتی ہے۔ اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ اقتصادی حالت بہتر ہو، اور اقتصادی حالت کو بہتر کرنے کے لئے حکومتی اداروں سے منسلک ہونا اور حکومت کی پالیسیوں پر اثر انداز ہونے

AsliAhleSunnet.com

کی صلاحیت و طاقت ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب ہمارے دینی تربیت یافتہ، باشعور، بہتر تعلیم یافتہ افراد جن میں امت مسلمہ کی خدمت کرنے کا جذبہ ہو، احساس دیانتداری اور فرائض کی انجام دہی کا دینی احساس ہو اور وہ حکومت وقت کے خدمات سے وابستہ ہوں۔ میں یہ باتیں اسلئے کہہ رہا ہوں کہ ہندوستان کے بعض علاقوں میں ہمیں اسکا موقع دیا گیا کہ یکسو ہو کر علوم دینیہ و علوم عربیہ کی خدمات انجام دیں۔ لیکن ہم میں ان مذکورہ باتوں کا احساس و شعور نہ ہونے کی وجہ سے ذمہ داری کے فرائض کے انجام دینے میں کوتاہی ہی نہیں بلکہ ہم فرائض دینی ادا کرنے کے بھی قصور وار ہیں اور ان میں وہ افراد ہیں جنہوں نے اسلام کے قلعے میں تربیت پائی ہے۔ (اپنی ان کوتاہیوں کا الزام دوسرے پر نہیں دے سکتے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں نظام تعلیم و نصاب تعلیم پر غور کرنے کے ساتھ دینی تربیت کے سلسلہ میں جو خامیاں ہیں ان پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور جب کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات اور دنیا کے نقشہ میں ایک زبردست تبدیلی آچکی ہے۔ سائنس کی ترقی نے دنیا کے اقتصادی اور تعلیمی نظام تہ و بالا کر دیا ہے۔ اور وہ علوم جو ہمارے نصاب تعلیم کے جز تھے۔ ان علوم میں تحقیق اور تجربے نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ اب اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں رہ گئی ہے۔ ان علوم کو نصاب میں شامل رکھنا وقت ضائع کرنے کے ساتھ امت کو پیچھے کی طرف لے جانا ہے۔ صرف یہ خیال کرنا کہ ہم دین کی حفاظت کے لئے جو تعلیم دے رہے ہیں اس سے ہمارا دین اور ہمارا ایمان محفوظ رہے گا اور امت مسلمہ محفوظ رہے گی، یہ اسی طرح کی بات ہے کہ کوئی اپنی مدافعت یا دشمنوں سے حفاظت کے لئے قلعہ میں محصور ہو جائے اور سمجھے کہ خطرہ ٹل گیا تو یہ بڑی غلط فہمی ہے۔ بلکہ وہ امت اور قوم فاتح اور کامیاب ہوتی ہے جو اپنے قلعہ سے نکل کر دوسرے کے قلعہ پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اسی طرح علوم دینیہ و علوم عربیہ کے ساتھ ہم نے دوسرے ضروری علوم کی طرف توجہ نہیں کی اور ان کو حاصل کر کے علمی ایجاد کے علاوہ اقتصادی منفعت کے پہلو کو مد نظر نہیں رکھا تو ہندوستان کے مسلمان یقیناً مزید پستی کی طرف چلے جائیں گے یہ نقصان صرف اقتصادی اعتبار سے نہیں ہوگا بلکہ دینی اعتبار سے بھی ہوگا۔ اسلئے کہ ہم دینی علوم کو پھیلانے اور دین کی خدمت کرنے کے لائق نہیں رہیں گے۔ اور اگر ہم نے حکومتی اداروں میں اپنی تعداد کا اضافہ نہیں کیا اور اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی کوشش نہیں کی تو اسکا زبردست خسارہ برداشت کرنا پڑے گا۔

ہمیں نصاب[1] تعلیم کی اصلاح و تجدید کے متعلق ذرا روایتی جذبات سے ہٹ کر سوچنا چاہیئے اسلئے کہ تعلیم اور

---

[1] ہندوستان کی سرزمین پر تحریک ندوۃ العلماء نے پہلی بار اصلاح نصاب تعلیم کی طرف توجہ کی، وقت کی ضرورت کے مطابق دینی ←

AsliAhleSunnet.com

نصاب تعلیم ہی ایسا جوہر ہے جو کسی بھی قوم کے دینی معیار اور اخلاقی کردار کو بلند کرتا ہے۔ جیسا کہ میں نے پس منظر میں پیش کیا کہ نصاب تعلیم میں ہر دور میں تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ اور علوم دینیہ و علوم عربیہ کے نصاب تعلیم میں تبدیلی علماء کے اجتہادی کوششوں سے ہوتی ہے۔ اب وقت ہے کہ علماء ایک بار پھر نصاب تعلیم کی تبدیلی میں اجتہادی کوششوں سے کام لیں۔ اس بیسیویں صدی میں اور آزادی کے بعد خاص طور سے ہندوستان میں جو تبدیلی آئی ہے ان حالات کو پیش نظر رکھ کر نصاب تعلیم کی اصلاح کی طرف خاص توجہ دیں۔ نصاب تعلیم صرف مذہبی یا دینی اقدار ہی کا ضامن نہیں بلکہ انسان کی زندگی کو سنوارنے اور دنیا و آخرت دونوں کے لیے کامیابی و کامرانی حاصل کرنے کی غرض سے ایک مشعل راہ ہوتا ہے جیسا کہ گذشتہ صدیوں میں ہوتا رہا ہے۔ ہندوستان کے اکثر و بیشتر مدارس میں ہم جس درس نظامی کے پیروکار ہیں اور ۱۸۵۷ء کے بعد مدارس نے جس نصاب تعلیم کو اپنایا وہ خاص حالات کے تحت تھے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا مسائل و تقاضے مختلف ہو چکے ہیں اور ہمیں صرف دینی بقاء مقصود نہیں اور اب جبکہ عیسائی مشنری کا واسطہ نہیں ہے۔ نئے تقاضوں اور ضرورتوں کی روشنی میں نصاب تعلیم کا دینی مزاج، دینی مقاصد کے حصول کے اغراض سے سرمو انحراف کئے بغیر تبدیلی کے لئے سوچنا چاہیئے اور ہندوستان کے مسلمانوں کو علم و فن کے میدان میں ایک زندہ قوم ہونے کا ثبوت دینا چاہیئے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم اور طریقۂ تعلیم میں ایک انقلابی صورت اختیار کریں۔ چوں کہ علم اور تعلیم کا بنیادی مقصد ہی یہی ہے۔ دین و اخلاق کے علاوہ انسان میں اس دنیا میں زندگی گذارنے کا سلیقہ پیدا کرے، اگر کوئی نصاب تعلیم اس ضرورت کو پورا نہیں کرتا ہے تو یقیناً وہ ناقص ہے۔ درس نظامی کا نصاب تعلیم تقریباً ایسا ہی ہے کہ دینی مقاصد کا حصول تو کسی حد تک ہو جاتا ہے لیکن علمی ایجاد، ثقافتی ترقی اور زندگی گذارنے کے لئے ضروری معلومات

← و عربی علوم و فنون کی تعلیم کیلئے ایسے نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم کے لئے دعوت دی جن سے علوم و فنون کے ایسے ممتاز علماء و اسکالر پیدا ہو سکیں جو دینیات و اسلامیات کے ماہر ہونے کے ساتھ بقدر ضرورت عصری علوم و تقاضوں سے بھی بخوبی واقف ہوں، ان میں علم دین اور اسلام کی صحیح فکر کے ساتھ عالمانہ شان بھی ہو، اور وہ ذہنی وسعت و فکری بلندی کے حامل ہوں۔ عملی شکل پیدا کرنے کے لئے ۱۸۹۸ء میں عظیم الشان دار العلوم لکھنؤ میں قائم کیا گیا ___ ہندوستان کی سرزمین پر خاص طور پر اس بیسویں صدی میں مسلمانوں میں ذہنی طور پر تقلید جامد کے باوجود اس تحریک کا اثر ہوا۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف حلقوں نے دینی و عربی نصاب تعلیم کے تقلید جامد سے نکل کر جدید تبدیلیوں کو گوارا کیا اور اپنے اپنے نقطہائے نظر کے مطابق کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور کی۔

AsliAhleSunnet.com

فراہم نہیں کرتے اور نہ ہی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

لیکن نصاب تعلیم کی اصلاح و ترتیب میں ہمیں افراط و تفریط سے بچنا چاہیئے۔ نہ تو وہ صورت اختیار کرنا چاہیئے جو بعض صوبوں میں مدرسہ اگزامینشن بورڈ نے کیا ہے کہ عصری تقاضوں کی اندھی تقلید اور حکومت کے تعلیمی اداروں کے مساوی مدرسہ کے نصاب تعلیم کے مختلف مراحل کو قرار دینے اور حکومتی اداروں میں ملازمت حاصل کرنے کی غرض سے نصاب تعلیم میں جو غیر متوازن طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ وہ دینی عربی نصاب تعلیم نہیں کچھ اور کہا جا سکتا ہے۔ وہ نصاب تعلیم عصری علوم، منقولات اور معقولات کی کتابوں سے ایسا بوجھل ہے کہ طلبہ کی قوت استعداد اسکو کبھی قبول نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس سے علم کا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی نصاب تعلیم کو ایسا ہونا چاہیئے جو عصری مضامین، زندگی گزارنے کے لئے ضروری اور دینی و مذہبی نقطۂ نظر سے خاص طور سے فقہ کے جدید مسائل کے استنباط کرنے کے لئے معاون ہوں ان سے خالی ہو۔ اور نصاب تعلیم کو اتنے مراحل میں تقسیم کرنا چاہیئے اور اس طرح مضامین کی ترتیب اور معیار قائم کرنا چاہیئے کہ پہلے بنیادی معلومات جن کا جاننا ہر متمدن انسان خاص کر مسلمان کیلئے ناگزیر ہے اور دوسرے تفصیلی و تحقیقی معلومات جو کسی بھی علم یا فن میں اعلیٰ مہارت حاصل کرنے کے لئے درکار ہوتی ہیں، مرتب ہونا چاہیئے۔ یہ اسلئے ایسا کرنا چاہیئے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ انسانی معاشرہ ایسے افراد کا مجموعہ ہے کہ ایک دوسرے کے محتاج ہیں اسطرح متخصص سے متخصص ایک فنی آدمی کو مختلف علوم کی ذیلی و ضمنی طور پر ضرورت پڑتی ہے۔ اسلئے معلومات کی وسعت کیلئے معاون مضامین کا شامل نصاب کرنا ضروری ہے۔

میری رائے ہے کہ تعلیم کو ابتدائی، ثانوی، لیسانس (مولوی و عالم) اور فاضل کے مراحل میں تقسیم کرنا چاہیئے، ابتدائی مرحلہ پانچ سال کی مدت کا، ثانوی مرحلہ پانچ سال کی مدت کا، مولوی ڈیڑھ دو سال کی مدت کا، عالم دو سال کی مدت کا اور فاضل دو سال کی مدت کا ہونا چاہیئے۔ ثانوی یا مولوی تک کی تعلیم کی تکمیل کے بعد سرٹیفکٹ عالم اور فاضل کی تکمیل کے بعد ڈگری دینی چاہیئے۔ عالم کے مرحلہ تک کئی کئی مضامین نصاب درس میں شامل کیے جائیں لیکن فاضل کے مرحلہ میں کسی خاص فن پر اختصاص کرایا جائے۔ جیسا کہ بہت سے مدارس میں رائج ہے۔

جہاں تک مضامین کا سوال ہے۔ ناظرہ قرآن مع تجوید عملی، دینیات، اردو، حساب، سماجی علوم (تاریخ و جغرافیہ کی ابتدائی معلومات) علاقائی زبان، انگریزی، فارسی، ہندی، جنرل سائنس تاریخ ہند، تاریخ اسلام، تاریخ علوم اسلامیہ، علم تمدن یا سیاسیات، اقتصادیات، عربی زبان، صرف، نحو، بلاغت، ادب، انشاء، ترجمۂ قرآن، تفسیر، اصول تفسیر حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض، عقائد، منطق، فلسفہ اور اسرارِ شریعۃ، انکی تقسیم نصاب تعلیم میں مرحلہ

AsliAhleSunnet.com

وار کرنی چاہیئے اور بقدرِ ضرورت بھی۔

ناظرہ قرآن مجید کے ساتھ دینیات اردو، حساب، سماجی علوم کی تعلیم ابتدائی مرحلہ میں دی جاسکتی ہے۔ دینیات پر خاص توجہ کی ضرورت ہے اسلیئے کہ بچہ کی نشو ونما اور دینی تربیت کا دور یہی ہے۔ اردو زبان کی تعلیم بحیثیت مادری زبان یا ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے ابتدا ہی سے ثانوی حد تک اسلیئے ضروری ہے کہ ثانویہ کے آخری سالوں میں اردو ادبیات کے انتخاب سے بھی واقف کرایا جائے تاکہ ادبی شعور بلند ہونے کے ساتھ زبان کا صحیح مذاق اور ذوق پیدا ہو سکے جو کسی بھی موضوع پر علمی کام کرنے کیلیئے ضروری ہے۔ سماجی علوم یعنی تاریخ وجغرافیہ کی معلومات ثانوی کے ابتدائی سالوں تک لازمی ہے تاکہ طالبعلم سمجھ سکے کہ جس دنیا میں وہ زندگی گزار رہا ہے کیا ہے اور کیسی ہے؟ حساب کی تعلیم ثانویہ کے معیار تک اسکول کے معیار کے مطابق لازمی ہے اسلیئے کہ مولوی یا عالم کے بعد کسی مقابلہ کے امتحان میں کوئی شریک ہونا چاہے تو اس سے فائدہ اٹھا سکے اور زندگی کے میدان میں جہالت کا ثبوت نہ دے سکے ___ علاقائی زبان کی تعلیم ابتدائی سالوں میں اسلیئے ضروری ہے کہ ہندوستان کے صوبجات میں علاقائی زبانوں کی جس طرح ترقی ہو رہی ہے اور جیسے حالات پیدا ہو رہے ہیں جس علاقہ میں رہنا ہے زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے علاقائی زبان سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ فارسی زبان کی تعلیم سمجھنے کی حد تک اسلیئے ضروری ہے کہ اسکے الفاظ اور تراکیب کثرت سے اردو زبان میں مستعمل ہیں، صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لئے فارسی زبان کی متوسط تعلیم بھی کافی ہے قدیم دینی اور تاریخی کتابیں جو فارسی میں ہیں ان سے استفادہ اس قدر تعلیم سے ممکن ہوسکے گا۔ فارسی کی اعلیٰ تعلیم کی ضرورت ہندوستان میں عربی مدارس کے طلبہ کیلیئے اسلیئے ضروری نہیں ہے کہ اب فارسی زبان کوئی دفتری زبان نہیں ہے جو ملازمت یا حصول معاش کیلیئے معاون ہو۔ ہندی معلومات پڑھنے لکھنے اور اسکے معروف کثیر الاستعمال الفاظ کی حد تک کی تعلیم لازمی ہے۔ ابتدائی کے تیسرے سال سے ثانویہ کے آخری سالوں تک اسکی تعلیم ہو جائے تو بہتر ہے۔ باقی اخبار کے مطالعہ اور تھوڑی سی ممارست سے ضروری استعمال کے لائق استعداد ہو جائے گی، چونکہ دفتروں میں یہ زبان رواج پاتی جارہی ہے۔ ملازمت کیلیئے یا زندگی کی ضرورت کی تکمیل کیلیئے اسکا حصول ضروری ہے۔ تاریخ ہند اور تاریخ اسلام ثانوی کے آخری سالوں میں تفصیل سے پڑھائی جائے تو کافی ہوگی، مولوی کی سطح پر منطق وفلسفہ ایک ایک سال صرف نصاب میں شامل رکھیں، تو اس قدر واقفیت ہو جائے گی کہ ان علوم کے اصطلاحات جو علوم اسلامیہ کی کتابوں میں استعمال کیئے گئے ہیں بآسانی سمجھ جائیں گے، نفس مضمون کی حیثیت سے اس دور میں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ نہ تو مناظرہ میں موشگافیوں کی ضرورت ہے جس میں منطق کا استعمال کیا جاسکے نہ قدیم فلسفیانہ مباحث کی

AsliAhleSunnet.com

ضرورت ہے جس کی جگہ اب سائنس نے لی ہے۔ اسلئے عربی نصاب کو غیر ضروری فلسفہ کے موضوع سے بوجھل نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسکے بجائے جنرل سائنس نصاب میں داخل کرنا چاہیئے۔ سیاسیات اور اقتصادیات کو نصاب تعلیم میں جگہ دیجئے اس طور پر کہ مولوی کی سطح پر پورے مضامین کی حیثیت سے ایک ایک سال پڑھائیں جو بی اے کے معیار کا ہو، عربی مدارس میں چونکہ تعلیم زیادہ پابندی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسلئے اس دوسالہ مدت میں بہتر طریقہ پر ان مضامین کو پڑھا یا جاسکتا ہے اردو زبان میں چونکہ یہ مضامین پڑھائے جائیں گے اسلئے اسکی تفہیم میں طلبہ کو زیادہ دشواری نہیں ہوگی، نفس مضامین سے واقفیت کی دو وجہیں ہیں ایک تو یہ کہ اسناد کو حکومتی اداروں میں منظور کرانے میں سہولت ہوگی، دوسری سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تمدنی اور اقتصادی مسائل کے استنباط میں ہمارے فقہا کے لئے بہت ممد اور معاون ثابت ہوں گے، یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی اسلامی معاشرہ اور حکومت کی تشکیل کیلئے دور حاضر میں موجودہ علم سیاسیات کا علم ضروری ہے۔ دورِ حاضر کے سیاسی تقاضوں کی روشنی میں فقہی اور اسلامی نقطۂ نظر سے وضع قوانین اور مسائل کے استنباط کیلئے موجودہ علم سیاسیات کا مطالعہ لازمی ہے۔ فقہاء میں صحیح قوت ادراک کسی بھی مسلم معاشرہ یا حکومت کیلئے وضع قوانین کرنا ہو تو اسی وقت پیدا ہوگی جب کہ وہ موجودہ تمدنی نظام سے واقف ہوں۔ اسکے بغیر شاید وہ اس دور کے پیچیدہ سیاسی امور کے متعلق صحیح فقہی رائے نہ دے سکیں۔ اور اقتصادیات کی تعلیم اسلئے ضروری ہے کہ اس وقت پوری دنیا اقتصادی مسائل سے اس قدر پریشان ہے کہ ان کے تمام نظریات اور نئے نئے اقتصادی نظام ناکام ہوتے جارہے ہیں، اشتراکی اقتصادی نظام جو بیسویں صدی کا کامیاب ترین نظام سمجھا جارہا تھا۔ لیکن اب وہ نظام چند ہی سالوں میں اس قدر ناکارہ ہو کر رہ گیا ہے کہ تقریباً اسکا وجود خاتمہ کے قریب آپہونچا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ کہوں گا کہ امام ابو یوسفؒ نے ایک کتاب "الخراج" نظام معیشت مملکت کیلئے پیش کی تھی جو صدیوں تک ملکی پیمانہ پر اقتصادی نظام کو حل کرنے کا ذریعہ بنی رہی۔

کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اس طرف توجہ کریں اور موجودہ اقتصادی مسائل کو سمجھیں، موجودہ اقتصادی نظریات و علوم نے جو اقتصادیات کا ڈھانچہ تیار کیا تھا، اسکے تمام پہلوؤں پر ہمارے فقہاء غور کریں اور ایک ایسا نظام معیشت پیش کریں جو اسلامی روح کے مطابق ہو۔ اور اقتصادی بحران سے دنیا کو نکال سکے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہمارے مفتیان کرام بینک کے مسائل پر فتاوی دیتے ہیں اور اقتصادی مسائل پر مضامین لکھتے ہیں لیکن انکی معلومات موجودہ اقتصادی نظام یا بینک کے نظام اور طریقۂ کار پر نہایت سرسری ہوتی ہے اور واقعہ ہے کہ نہیں کے برابر ہوتی ہے اور اسکے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ انکے فتاوے علم کی منتہا پر مبنی ہوتے ہیں۔ چونکہ مسئلہ حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا ہوتا ہے اسلئے میری رائے ہے کہ

AsliAhleSunnet.com

جدید علم الاقتصاد کو بھی اب علوم دینیہ کا ایک لازمی جز بنایا جائے، اس پر مہارت حاصل کی جائے، تاکہ نظری طور پر اور عملی طور پر اقتصادی نظام کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے راسخ ہو۔ اور نصاب تعلیم میں اس وسعت کو وقت کی ضرورت سمجھا جائے۔

عربی زبان کی تعلیم کی ابتدا ثانویہ کے پہلے سال سے کی جائے ابتدائی دو سال محض ابتدائی عربی اور ابتدائی قواعد کی تعلیم تک محدود رکھا جائے ثانویہ کے آخری سالوں میں عربی زبان، صرف ونحو اور فقہ کی کوئی آسان وسہل زبان میں کتاب شامل درس کیا جائے، اور پوری توجہ عربی زبان وقواعد اور فقہ کے ابتدائی معلومات پر دی جائے، عربی قواعد کیلئے ایسی کتابیں تیار کی جائیں اور شامل نصاب ہوں جن میں عملی مشق کے لئے تمرینات کثرت سے ہوں۔ اور جدید طریقۂ تعلیم کے مطابق ہوں، اور ہمیں ان کتابوں کو نصاب سے خارج کر دینا چاہیئے جو اب اس دور میں طلبہ کے لئے پوری طرح مفید ثابت نہیں ہو رہی ہیں اس بات کو تسلیم کریں یا نہ کریں کہ کافیہ، شرح جامی پڑھنے کے بعد بھی صحیح عبارت پڑھنے کی بیشتر طلبہ میں صلاحیت نہیں ہوتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم قواعد کی تعلیم اس طرز پر دیتے ہیں کہ قواعد کو زبان کے سیکھنے صحیح عبارت پڑھنے اور لکھنے کا ذریعہ نہیں سمجھ کر اس مضمون کی فلسفیانہ موشگافیوں کو زیر بحث لانا ہی طرۂ امتیاز سمجھتے ہیں۔ کافیہ وشرح جامی اپنے دور کے مقاصد کے اعتبار سے صحیح تھی، لیکن اب جب کہ آسان زبان اور سہل طریقہ پر قواعد کی تعلیم کا رواج ہو چکا ہے اور اسکی افادیت بھی واضح طور پر سامنے آچکی ہے اسلئے خاص طور پر قواعد کی کتابوں میں تبدیلی اور طریقۂ تعلیم میں تبدیلی بھی ضروری ہے۔ اگر اس سلسلہ میں بھی روایت پرستی میں مبتلا رہے تو ہمارے طلبہ کا معیار عبارت خوانی اور زبان دانی روز بروز گرتا ہی جائے گا۔

فقہ کی تعلیم اور نصاب تعلیم کے سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ ہمارے نصاب میں نور الایضاح، قدوری، شرح وقایہ، کنز الدقائق، ہدایہ، اور بدایۃ المجتہد جیسی کتابیں شامل ہیں۔ ان کتابوں میں ان مسائل سے ہی بحث کیا گیا ہے ممکنہ حد تک ان کتابوں کی تصنیف کے وقت جو مسائل معاشرہ میں پیش آسکتے تھے۔ اب جبکہ دور جدید میں بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے، اور علماء نے فتوے دیئے اور استدلالی نظریات پیش کئے ہیں۔ کتابیں عربی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ ان مسائل کو بھی استدلالات کے ساتھ شامل نصاب کرنا چاہیئے خواہ عام فقہی مسائل ونصاب کے ساتھ یا اختصاص کی منزل پر اور اسی طرح اصول فقہ کے موضوع کی طرف بھی اس سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے جتنی دیجاتی ہے اور کتابوں کے سلسلہ میں بھی جو آسان اور سہل کتابوں میں موضوع پر آگئی ہیں شامل درس کرنا چاہیئے۔ اسلئے کہ ہماری نظر نفس مضمون کی تعلیم پر رہنی چاہیئے نہ کہ کتابوں پر۔ اور اسلئے بھی کہ اب طریقۂ تعلیم اور نقطۂ نظر میں فرق آگیا ہے۔ درس نظامی کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ فن کی مشکل ترین کتاب پڑھا دی جائے تو اس فن کی تمام کتابوں کا سمجھنا آسان

AsliAhleSunnet.com

ہوجائے گا لیکن اب جدید تعلیمی نقطۂ نظریہ ہیکہ کسی بھی فن کو آسان سے آسان طریقہ پر پیش کیا جائے اور پڑھایا جائے تاکہ نفس فن میں مہارت پیدا ہوجائے۔

حدیث کا جو نصاب رائج ہے نہایت ہی بہتر ہے۔ اسکی تعلیم مولوی سے شروع کی جائے تو مناسب ہے لیکن مشکوٰۃ المصابیح سے پہلے ریاض الصالحین یا آثار السنن یا اسطرح کی کوئی اور کتاب شامل کی جائے تو اس موضوع سے مناسبت پیدا کرنے میں مدد ملے گی، اور مشکوٰۃ میں جس انداز سے بحث کی جاتی ہے طلبہ کیلئے مفید ثابت ہوگی ــــ حدیث کی تمام کتابوں کے درس میں ایمان اور عبادات سے متعلق ابواب پر پوری بحث کی جاتی ہے۔ معاملات سے متعلق احادیث کے درس میں اسقدر بحث نہیں کی جاتی، حالاں کہ ائمہ کے اختلافات معاملات سے متعلق مسائل میں بھی ہیں۔ فتاویٰ یا مسائل کے استنباط کیلئے معاملات سے متعلق احادیث کو بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ بعض کتابوں میں ایمان وعبادات سے متعلق احادیث پر تفصیل سے بحث کی جائے اور بعض کتابوں میں معاملات سے متعلق احادیث پر تو شاید حدیث کی تعلیم کا حق اور بہتر طور پر ادا ہوسکے۔ اسی طرح طلبہ میں احادیث کی تخریج اور اسماء الرجال سے پوری واقفیت کرائی جائے تو یہ فن اور موضوع زیادہ کارآمد ہوسا ہو۔ طلبہ میں یہ صلاحیت پیدا کرنیکی کوشش نہیں کی جاتی ہے اور نہ ہی درس میں اسکا لحاظ کیا جاتا ہے کہ طلبہ میں استعداد

جہاں تک قرآن کریم کی تفسیر پڑھانے کا تعلق ہے درجۂ مولوی اور عالم میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ لغوی، فنی اور آیات احکام کی تفسیر کے ساتھ پڑھایا جائے، عالم کے آخری سال میں بیضاوی اور کشاف شامل نصاب کیا جائے۔

اور بلاغت کی تعلیم کم از کم دو سال دینی چاہیئے، اسکی تعلیم کے معیار کو بھی بلند کرنا چاہیئے، اور ایسی کتابیں درس میں شامل کرنی چاہیئے جو اس فن کے سیکھنے میں معاون ہوں، اور تعلیم میں اس بات کا لحاظ کرنا چاہیئے کہ فن کی مکمل واقفیت ہونے کے ساتھ کسی بھی عبارت یا شعر کی بلاغت کو سمجھنے پر قدرت حاصل ہوسکے۔ اسلیئے کہ اگر کوئی شخص فن بلاغت سے فنی طور پر واقف نہیں ہوتا ہے تو اسکے لیئے ممکن نہیں ہے کہ قرآن کریم کے معانی ومفہوم کو اور احادیث نبوی کے معنیٰ کو بہتر طور پر سمجھ سکے۔ محض قواعد کے علم سے اعراب اور الفاظ کی ظاہری ترکیب اور معنیٰ تو سمجھ سکتا ہے لیکن اسلوب کے فرق سے جو معانی میں فرق پیدا ہوتا ہے اسکو بغیر بلاغت سے گہری واقفیت کے ہرگز سمجھا نہیں جاسکتا۔ تو بلاغت کی بہتر تعلیم اور عملی مشق کے لئے البلاغۃ الواضحہ اور اسکے بعد الرمانی کی کتاب النکت اور عبدالقاہر جرجانی کی دلائل الاعجاز مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔

اسی ضمن میں ایک بات یہ بھی کہنے کی ہے کہ عربی زبان وادب کی حیثیت دوسری زبانوں سے بالکل مختلف ہے۔ عربی زبان کی وسعت اسکے اسلوب کی چاشنی اور زبان کے معیار کی بقاء قرآن کریم واحادیث نبوی کی وجہ سے ہے حضرت

AsliAhleSunnet.com

ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے خطبے جاحظ اور اس جیسے اہل قلم کی تصانیف عہد جاہلی اور عہدِ اسلامی کی اس زبان کا معیار ہیں۔ انکے اسالیب کے فرق کو سمجھنے کے لئے بلاغت کی تعلیم ضروری ہے۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ بعض افراد نے اسالیب کے اختلاف کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عربی زبان کو اسلامی عربی اور غیر اسلامی عربی میں تقسیم کیا۔ شاید وہ اسلامی ادب یا غیر اسلامی ادب کی تعبیر استعمال کرتے تو زیادہ صحیح ہوتا۔ اسی طرح بعض افراد اپنی کم مائیگی اور بے بضاعتی پر پردہ ڈالنے کے لئے دورِ جدید کی رومانوی شاعری، افسانے، ناول اور ڈرامے ہی کو عربی زبان کا معیار اور ثمرہ سمجھتے ہیں جو درحقیقت ایک دھوکہ ہے جو مغربی زبانوں کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے اسلئے کہ ان زبانوں کا سرمایہ ہی اسی قدر ہے یہ اور بات ہے کہ جدید تعبیر اور اسلوب میں ترسیل کی زبان سیکھنے کیلئے افسانے ناول اور ڈرامے کا مطالعہ مفید ہے۔ لیکن عربی زبان و ادب کا بنیادی حصہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ عربی زبان کا اصل سرمایہ قرآن کریم اور احادیث نبوی ہے۔ اسکے بعد عہد جاہلی، عہد اسلامی اور عصر عباسی کے نثری و شعری اسالیب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اسکے بغیر شاید عربی زبان کے اسالیب اور بلاغت کی خوبیوں پر کامل عبور نہ ہو۔ اور عربی ادب کی تعلیم و تدریس کے لئے نصاب تعلیم کے انتخاب میں ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

علوم عربیہ کے ساتھ انگریزی زبان سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ جو انگریزی کبھی ناجائز تھی، اب علماء اسکی ضرورت محسوس کرنے لگے ہیں۔ اور اکثر مدارس میں اسکی تعلیم ہونے لگی ہے۔ مدارس میں انگریزی تعلیم کا معیار وہ تو نہیں قائم کیا جا سکتا جو اسکولوں کالجوں کے طلبہ کا ہوتا ہے۔ اسلئے کہ مدارس میں اسکی حیثیت ایک ضمنی مضمون کی ہے اور ہونا بھی چاہیئے تاکہ ہمارے نصاب تعلیم کا اصل مقصد فوت نہ ہو۔ عربی و دینی موضوعات کی تعلیم پر اثر انداز نہ ہو۔ لیکن اس حد تک انگریزی کی تعلیم ضروری ہے کہ کوئی شخص بات کہے تو سمجھ سکے اور خط و کتابت کی صلاحیت پیدا ہو سکے تاکہ علماء براہ راست اسلام کے خلاف یا مسلمانوں کے خلاف جو کچھ کہا جا رہا ہے اسکو سمجھ سکیں، وہ دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔ اور وہ طلبہ جو عربی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حکومت کی ملازمتوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ انکے لئے دروازہ بند نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی کمی نہیں ہے اور ہر فرد کو حکومتی اداروں میں ملازمت بھی نہیں مل جاتی ہے۔ اگر تھوڑے افراد دینی تعلیم و تربیت کے بعد حکومتی اداروں کی ملازمت میں شریک ہو جاتے ہیں تو اس سے ہمارے ملی مسائل حل کرنے اور اقتصادی بحران پر قابو پانے میں مدد ملے گی، اور آسانیاں بھی ہوں گی، اور امت مسلمہ کو ترقی کرنے کا موقع بھی ملے گا۔

اور جہاں تک کسی موضوع یا فن پر اختصاص کا تعلق ہے مدارس عربیہ اسکی طرف توجہ کرنے لگے ہیں یہ ایک خوش آیند بات ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ ذہین محنتی اور باصلاحیت طلبہ کا ہی داخلہ اختصاص کیلئے کیا جائے۔ محض طلبہ کی

AhlAhleSunnet.com

تعداد شمار کرانے کے لئے ہر شخص کا داخلہ اس غرض کے لئے نہیں کرنا چاہیئے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ طالب علم کی اس قدر مالی اعانت کرنی چاہیئے کہ یکسوئی سے خوش دلی کے ساتھ وہ کام کر سکیں۔ کتابوں کی فراہمی، قدیم و جدید مصنفین کی کتابوں سے استفادہ کا موقع دینا چاہیئے۔ اس فن کا ماہر جس میں وہ اختصاص کرتا ہے کہیں اور ہے تو اس سے بھی استفادہ کا موقع فراہم کرنا چاہیئے اس سے تحقیق و محنت کے بعد ایسے مقالے لکھوانا چاہیئے جس میں جدت محسوس ہو۔ فکر کی گہرائی اور مطالعہ کی وسعت کا اندازہ ہو۔ اس میں اس بات کا میلان ہو کہ فن یا موضوع میں جن جدید مسائل کو حل کرنے کی ضرورت ہے حل کرنے اور ایجاد کرنے کی خوبی پائی جائے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر ہمیں علم کو علم کی حیثیت سے حاصل کرنا ہے اور علم میں ایجاد کا معیار پیدا کرنا ہے دینی شعار کی بقاء کے ساتھ زندہ قوم کی حیثیت سے رہنا ہے تو ہمیں اپنے نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم پر پھر سے غور کرنا ہوگا۔ اسلئے کہ علم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو انسان میں فکری بلندی پیدا کرتا ہے اور فکری بلندی ہی انسان کو دینی و اخلاقی اعتبار سے بلند مرتبے تک پہونچاتی ہے۔ اور قوم و امت کو عزت و اعزاز بخشنے کے ساتھ انسانی تاریخ میں اس قوم کے نام کو زندہ و تابندہ رکھتا ہے۔ اور موجودہ دور و موجودہ حالات میں ایسے نصاب تعلیم اور علوم کی ضرورت ہے جو بقول علامہ اقبال

" در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق کا مصداق ہو"

کلنڈر ۱۹۹۰ء

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کا نیا کلنڈر سہ رنگہ ۱۹۹۰ء طبع ہو چکا ہے خواہش مند حضرات مکتبہ سلفیہ کے پتہ پر اپنے آرڈر بھیج کر جلد از جلد طلب فرمائیں۔

پتہ

مکتبہ سلفیہ۔ ریوڑی تالاب وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

AsliAhleSunnet.com

تحریر: ڈاکٹر عبد العلی ازہری
ترجمہ: امتیاز احمد سلفی

یورپ میں مسیحی سرگرمیاں

اور اسلام کی موجودہ صورت حال

جس دور میں ہم سانس لے رہے ہیں وہ مادی دور کہلاتا ہے، مادیت کا دور دورہ اور اسی کا غلبہ ہے یہاں تک کہ اسکے آگے دین کی اخلاقی قدریں بھی مات کھا گئیں اس چیز کو ہر وہ آدمی محسوس کر سکتا ہے جو یورپ میں مادیت کی طغیانی اور اسکے مظاہر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو دین لے کر آئے اس میں مادیت کو بالکل نا قابل اعتنا نہیں سمجھا گیا، دین انسانیت کی ہدایت اور ہر اس چیز میں اسکی رہنمائی کیلئے آیا تھا جس میں انسان کی دنیوی و اخروی بہتری ہو۔ اس اعتبار سے اسلام تمام ادیان سے ممتاز ہے کہ وہ فرد و معاشرہ میں مادی اور روحانی پہلو کے مابین انصاف کے توازن کو برقرار رکھا ہے۔ دین کی شریعت و تعلیم کا رجحان ان دونوں پہلوؤں میں سے نہ کسی ایک جانب ہے اور نہ ہی ایک دوسرے پر کسی کی فضیلت کا قائل، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان دونوں کو کما حقہ' ادا کیا جائے اس ناحیہ سے شریعت اسلامیہ انسان کے تمام مقتضیات کی تکمیل کیلئے وقف ہے۔ انسان نام ہے جسم و روح کے اتصال کا، اسکے جسم نمو و بقاء کے لئے مادی اشیاء کی ضرورت ہے جس میں کھانا پینا، نکاح اور افزائشِ نسل وغیرہ شامل ہے، سر چھپانے کے لئے گھر کی ضرورت ہے تاکہ سرد و گرم سے محفوظ رہ سکے اسی پر بس نہیں، اگر وہ صرف انہیں اشیاء پر اپنی نظر مرکوز رکھے تب تو وہ حیوانات سے بھی گیا گذرا کہلائے گا، جو صرف اپنی جسمانی پرورش کیلئے زندہ رہتے ہیں۔ انسان کا مقصدِ حیات اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے، چہ جائے کہ وہ اپنی روح کو مادیت کے سامنے مغلوب رکھے اللہ تعالیٰ نے اسے قوتِ غور و فکر سے سرفراز فرمایا ہے، اسکو استعمال کر کے اس دنیا میں وہ اپنا مقام بلند کر سکتا ہے لیکن اگر وہ مادیت سے یکسر منحرف، وسائلِ زندگی سے الگ تھلگ ہو کر رہبانیت کی زندگی اختیار کرے تو گویا وہ اپنے لئے موت و فنا کو اختیار کر رہا ہے، مذہبِ اسلام نے مادہ و روح کے مابین تطبیق پیدا کی ہے اس کا یہ عمل نیا نہیں ہے، بلکہ تمام انبیاء سابقین کی یہی دعوت رہی ایمان اور عبادت کے ذریعہ روح میں

AsliAhleSunnet.com

جلا پیدا کرنا، دنیوی معاملات میں شریعت کو نافذ کر کے مادی پہلو کی اصلاح کرنا۔ یہ الگ بات ہے کہ انبیاء کے متبعین نے انکی تعلیمات میں تحریف کر ڈالی اور ادھر ادھر بہک گئے، یہاں تک کہ مادیت اور روحانیت کے مابین شریعت نے جو توازن قائم رکھا تھا وہ ختم ہو گیا یہی چیز یورپ میں مسیحیت کے اندر پیدا ہو گئی۔

دین و سلطنت یا کلیسا و حکومت کے مابین اٹھا پٹک کی داستان یورپ میں بہت معروف ہے اور اسکی بنیاد سلطنت کا کلیسا پر غلبہ اور دین کو معاشرۂ انسانی کے تمام پہلوؤں (سیاست و اجتماعیت اور اقتصاد و ثقافت) سے دور رکھنا ہے لیکن کیا مادہ پرستوں کو مغربی قوم کے نزدیک دینی و روح کے ساتھ اس طرح کے سلوک میں کوئی کامیابی نصیب ہوئی اور کیا لوگ دینی اقدار کو بھول گئے جن پر انکے آباء واجداد چل رہے تھے۔ یقیناً مادہ پرستوں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں زبردست کامیابی حاصل کی لیکن انسانی سعادت اور روحانی سکون کے وسائل مہیا کرنے میں وہ سخت ناکام بھی ہوئے آج امریکہ و یورپ کی ترقی پسند قومیں انتہائی خوف وخطر کی زندگی بسر کر رہی ہیں، اس کے بالمقابل مسلمانوں کو باوجود فقر و تنگدستی کے امن و سکون حاصل ہے یورپ وغیرہ کے معاشرہ میں اس طرح کی متضاد زندگی نے مفکرین کو حیرت میں ڈال رکھا ہے اور مادیت کے متوالوں کو اپنی ناکامی کا احساس بھی ہے، وہاں تمسک بالدین یا ماضی کی طرف رجوع کی دعوت کا میدان صاف ہو رہا ہے، اور عملی طور پر دین کے داعی اہلِ سلطنت کو اس بات پر مجبور کرنے کی استطاعت رکھنے لگے کہ دنیا میں مسیحیت کے فروغ میں وہ تعاون کریں اور دینی مجلسوں میں سرگرمی سے حصہ لیں۔ اس وقت مسیحی نصب العین کے آثار دو پہلوؤں سے زیادہ نمایاں ہیں۔

۱۔ یورپ میں مسیحیت کی ترویج و اشاعت اور غیر ملکی لوگوں کو اسکی طرف رغبت دلانے میں مسیحی مبلغین کچھ زیادہ چاق و چوبند دکھائی دے رہے ہیں، اور اسکے لئے ان قوموں کو استعمال کر رہے ہیں، جو کسی اسلامی یا غیر اسلامی ملک سے ہجرت کر کے وہاں آباد ہیں اور ان کا دین مسیحیت نہیں ہے، ہوتا یوں ہے کہ تبلیغ کیلئے مسیحی عورتوں اور مردوں کی جماعت ان قوموں کا رخ کرتی ہیں جو ایشیا یا افریقہ میں مقیم ہیں اور وہ دو دو تین تین کی ٹولیوں میں بٹ کر کسی ایک خاندان کے لوگوں سے ملاقات کرتی ہیں اور انتہائی نرمی اور ملائمت سے ایسے بحرانی مسائل اور اسکے طریقۂ علاج کے موضوع پر گفتگو کرتے ہیں جن سے آج کا انسان دوچار ہے، اور اس بات پر زور دیتے ہیں، کہ ہم انسانیت کو مشکلات سے نکالنے کیلئے کوشاں ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے، وہ ہمارے اندر اتحاد اور ہمدردی کی روح پھونکے گا اور محبت و عفو کا سلوک فرمائے گا اور وہ آمادہ کرتے ہیں کہ آدمی ہر جاندار سے محبت کرے اپنے دشمنوں کے ساتھ دوستوں جیسا برتاؤ کرے اور

AsliAhleSunnet.com

زیادتی کرنے والوں کو معاف کرے۔ اس طرح ماحول بنتے بناتے ایک وقت آئے گا کہ پوری دنیا اتحاد و ہمدردی، الفت و محبت اور باہمی تعاون سے لبریز نظر آئے گی اور ہر اس چیز سے نفرت پیدا ہوگی جو انسان کی زندگی کو مکدر کرنیوالی ہے۔

قارئین ملاحظہ فرمائیں کیسی چکنی چپڑی اور دل کو موہ لینے والی بات ہے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو مظلوم و مجبور ہو کر مہاجرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور اس سرزمین سے محروم ہیں جہاں کی آب و ہوا میں ان کی پیدائش اور پرورش ہوئی۔ مسیحی کی باقاعدہ اسی نہج پر تربیت ہوتی ہے کہ کیسے وہ اپنی بات لوگوں کے سامنے رکھیں، تبلیغ کے کیا طریقے ہیں، وہ مذہبی اختلافات اور مسیحیت کو کسی دیگر مذہب پر افضلیت کی بات نہیں کرتے وہ علانیہ لوگوں کو ان کے دین سے متنفر نہیں کرتے بلکہ اپنی تمام تر توجہات اس بات پر مرکوز رکھتے ہیں کہ لوگ آپس میں محبت و بھائی چارگی اور عفو و رواداری کا شعور پیدا کریں وہ اپنی پاک بازی کو خوبصورت شکل میں پیش کرتے ہیں۔ چال ڈھال اور تخاطب میں الفت و محبت نرمی اور انکساری ظاہر کرتے ہیں، صاف شفاف لباس ہوتا ہے، گفتگو میں مٹھاس ہوتی ہے، اس رواداری سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے دین کی اہمیت کا بیج بوئیں اور دوسرے ادیان پر مسیحیت کی بالادستی ثابت کریں۔

اس سلوک و برتاؤ کا آپ ذرا مسلمان مبلغین سے موازنہ کریں جن کا حال یہ ہے کہ ان کے کپڑے گندے ہوتے ہیں جس سے گندگی کو فروغ ملتا ہے گھروں میں صفائی نہیں رہتی برسرعام لوگوں کے درپے آزار ہوتے ہیں، طریقہ کلام میں سختی ہوتی ہے، اور اپنی بات کو معمہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں، اسطرح لوگوں کو اسلام سے متنفر کرتے ہیں، حالاں کہ بظاہر وہ اپنے گمان کے مطابق دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے ہیں یہ محض طریقۂ دعوت و تبلیغ سے ان کی ناواقفیت اور دعوت الی اللہ کو بے حکمتی سے پیش کرنے کا نتیجہ ہے، جس کا قرآن نے حکم فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مبلغین کی اس ناواقفیت کی وجہ سے اسلام کو بہت نقصان پہنچا، اور مسیحیت کی کوششوں کے سامنے اسلام کو پسپائی کا سامنا کرنا پڑا خصوصاً ان علاقوں میں جہاں کے سیاسی وسماجی حالات اسلام کے حق میں سازگار تھے مگر اسلام کے مبلغین دینی تعلیم کے خوشنما جوہر کو پیش کرنے سے قاصر رہے، جب کہ ان کے مخالفین اپنے مفاد کیلئے تاریخ اسلام کے تاریک پہلوؤں کو استعمال کرنے میں پوری طرح قادر ہیں۔

۲۔ یوربین قوم میں دینی روح پھونکنے کی غرض سے حکومتِ برطانیہ نے انگریزی کلیسا کے صدر اعلیٰ کی سفارش سے چند قرارداد پاس کی ہے جس کی رو سے ابتدائی اور ثانوی درجے کے نصابِ تعلیم میں مسیحیت کی تعلیم ضروری قرار دی گئی، چنانچہ ہر اسکول میں ہفتہ کے اندر اسکے لئے چند گھنٹیاں لازم ہوگئیں، اسکے علاوہ روزانہ اجتماعی طور پر صباحی ترانہ تمام طلبہ پڑھتے ہیں جسمیں دینی طریقۂ کار کی عکاسی ہوتی ہے۔

AsliAhleSunnet.com

ایک جمہوری ملک میں اسطرح کا قانون کہ مذہب و سیاست میں تفریق ہو، صاف اشارہ ہے کہ یورپین معاشرہ میں نا اتفاقی ہے، یہ صورت حال ان مسلمان طلبہ اور طالبات کیلئے جو وہاں انگریزی اسکول میں زیر تعلیم ہیں سخت خطرناک ہے، کیوں کہ وہاں ہر ایک کیلئے تعلیم لازم ہے، کوئی شخص اپنی اولاد کو تعلیم گاہ سے جدا نہیں رکھ سکتا۔ لیکن اس قانون میں یہ ترمیم کی گئی کہ جو لوگ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دینا چاہتے ہیں، وہ ان اسکولوں سے انہیں واپس بلا سکتے ہیں مگر یہ ترمیم ایک آزمائش کی چیز بن گئی کہ مسلمان اپنے بچوں کو کہاں تک دینی تعلیم دے سکیں گے، جب کہ محض دینی تعلیم کا حصول مشکلات کا حل نہیں، اس طرح کی اور بھی بہت سی آزمائشیں انہیں در پیش ہیں ضروری ہے کہ اس کا کوئی عوض تلاش کیا جائے۔ اگر مسلمان کسی مفید تجویز پر متحد ہو کر اسے اعلیٰ افسران کی خدمت میں پیش کریں، تو ممکن ہے کہ وہ کسی سرکاری تعاون کے حصول میں کامیاب ہو جائیں۔ عملی طور پر بعض مسلم تنظیموں نے اس سلسلہ میں قابل قدر کام انجام دیا ہے لیکن انفرادی کوششیں کہاں تک کامیاب ہوں گی، لہذا مقامی طور پر مسلم تنظیمات اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور مشترکہ شکل میں ایسا عملی اقدام اٹھائیں جس سے آنے والی نسلیں مغربی معاشرہ کی ہلاکت خیزیوں سے محفوظ و مامون ہو سکیں۔

لیکن مشاہدہ بتا رہا ہے کہ یورپ اور برطانیہ میں کیا دنیا کی اکثر اسلامی تنظیمیں سخت اختلاف و انتشار کا شکار ہیں انکا اتفاق کسی ایسے لائحہ عمل پر ناممکن ہے جو ان کو اسلامی نسل کے مفاد میں کام کرنے پر متحد کر سکے۔ انکی نا اتفاقی کی تازہ ترین مثال ابھی ملعون سلمان رشدی کی کتاب "آیات شیطانیہ" کی اشاعت و تشہیر کے موقع پر دیکھنے کو ملی، آئے دن کسی رہنما کی قیادت میں کوئی نہ کوئی تنظیم بنتی تھی گویا بغیر کسی تنظیم کے انہیں کوئی مناسب مقام ملنا دشوار ہے، انکی ذاتی ہوس اسوقت تک نہیں ختم ہوتی، جب تک کہ ان کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ اکٹھا نہ ہو جائے اور انکی قیادت حاصل ہو۔

یورپ میں تمام مسلم تنظیمات کسی نہ کسی شکل میں حکومت کے تابع ہیں، اور اسکے مفاد کی رعایت کرتی ہیں، تعلیمی میدان میں انہیں کے احکام کی رعایت کی جاتی ہے، اس طرح تنظیم ایک سیاسی روپ دھار لیتی ہے، اور کسی خاص ریاست کے مفاد میں کام کرتی ہے۔ چہ جائے کہ مسلمانوں کی خدمت کریں، ان میں دینی شعور پیدا کریں اور غیر مسلموں میں اسلام کی بالادستی کے خصائص بیان کریں۔۔

AsliAhleSunnet.com

مولانا احمد مجتبیٰ السلفی

ضعیف اور موضوع احادیث کا چلن

اور امت میں ان کے غلط اثرات

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ، بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ

یعنی: میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے کسی کی بھی اقتدار کر لو گے ہدایت یاب ہو جاؤ گے۔

یہ حدیث موضوع ہے، گرچہ چھ صحابہ کرام سے مروی ہے: حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباس، جابر، ابوہریرہ اور نبیط ابن شریط رضوان اللہ علیہم (حضرت نبیط کی حدیث کے الفاظ ہیں "أَهْلُ بَيْتِي كَالنُّجُومِ .... یعنی: میرے اہل بیت....)

اور ہر ایک صحابی کی حدیث کی سند میں کوئی نہ کوئی جھوٹا اور حدیثیں گھڑنے والا راوی موجود ہے۔ مثلاً: حضرت عمرؓ کی حدیث کی سند میں عبدالرحیم بن زید العمی، ابن عمرؓ کی سند میں حمزہ الجزری ابن عباس کی سند میں سلام الطویل، ابوہریرہؓ کی سند میں جعفر ابن عبدالواحد، اور نبیط کی سند میں احمد بن ابراہیم بن اسحاق ابن نبیط الکذاب،

بنا بریں یہ حدیث کثرت اسانید کی بنا پر حجت کے مرتبے تک نہیں پہونچ سکتی، کثرت اسانید کی بناء پر صرف وہی حدیثیں حجت کے درجہ کو پہونچتی ہیں جن کی سندوں میں کوئی جھوٹا راوی نہ ہو۔

مذکورہ بالا اسانید کے ساتھ اس حدیث کو، خطیب نے کفایہ (ص۴۸) میں ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم (۹۰/۲) میں، ابن حزم نے الاحکام (۶/۸۲) میں، قضاعی نے مسند شہاب (رقم ۱۳۴۶) میں، ابن الجوزی نے العلل (۲۸۳/۱) میں اور ابن نبیط الکذاب نے اپنی گھڑی ہوئی احادیث کے مجموعہ میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے راویوں پر تفصیلی کلام کے لئے مذکورہ بالا کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ کیا جائے میزان الاعتدال للامام الذہبی، لسان المیزان للحافظ ابن حجر، اور سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة للعلامہ الالبانی، ارقام ۵۸ تا ۶۲۔

مشہور صوفی عبدالوہاب شعرانی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ: یہ حدیث گرچہ محدثین کے نزدیک

AsliAhleSunnet.com

گرٹ بڑ ہے لیکن اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے، یہ کتنی لچر بات ہے اہل علم سے پوشیدہ نہیں، (دیکھئے ان کی کتاب "المیزان")

معنی پر ایک نظر : گذشتہ حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہی سب کچھ اس حدیث کے معنی اور غلط اثرات کے بارے میں بھی صادق آتا ہے۔

نیز امام ابن حزم فرماتے ہیں: یہ بات محال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر صحابی کی ہر بات کی اتباع کا حکم دیں کیوں کہ بعض صحابہ بعض چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں تو بعض دوسرے انہی کو حرام قرار دیتے ہیں، اگر ہر ایک کی اتباع جائز ہو گی تو حضرت سمرہ بن جندب کی اتباع میں شراب کی فروخت کا کام جائز ہوگا، اور حضرت عثمان و علی و طلحہ و ابو ایوب و ابی بن کعب کی اتباع میں عزل سے منی خارج نہ ہونے پر غسل واجب نہیں ہوگا۔ (حالاں کہ دو شرمگاہوں کے صرف مل جانے سے غسل واجب ہو جاتا ہے)

آگے چل کر فرماتے ہیں: ایسے اشخاص کی تقلید کیسے جائز ہو سکتی ہے جو کبھی خطا بھی کر جاتے ہیں، ہمارے اوپر دراصل صرف اس چیز کی اتباع فرض ہے جو اللہ کے قرآن میں ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث میں، وہ رسول جن کو دین کی تفسیر و توضیح کا حکم دیا گیا ہے، اختلاف بہر صورت اعتبار کے لائق نہیں، بعض لوگوں نے حدیث "اصحابی کالنجوم ...." کا سہارا لے کر اختلاف امت کو رحمت قرار دیا ہے، حالاں کہ یہ حدیث باطل ہے، اہل فسق کی گھڑی ہوئی ہے، بھلا، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس بات کو جائز قرار دے سکتے ہیں جس سے ایک بار منع کر چکے ہوں، آپ نے ایک بار حضرت ابوبکر کی ایک تفسیر کو غلط قرار دیدیا تھا، اور حضرت عمر کو ایک مسئلہ میں مخطئ قرار دیا تھا، اور حضرت ابوالسنابل کو عدت کے بارے میں ایک فتوے کو رد فرمادیا تھا۔ تو یہ بات بالکل محال ہے کہ آپ پھر اسی بات کو جائز قرار دے دیں جس کے غلط ہونے کی خبر ایک بار دے چکے ہیں۔ اگر ہر ایک صحابی کی اتباع کو جائز قرار دیدیں تو گویا خود اپنے ہی غلط قرار دی ہوئی بات کی اتباع کی اجازت دیدی ؟ حاشا، وکلا، ہاں اگر آپ کی مراد روایت ہو تو پھر ٹھیک ہے کیوں کہ تمام صحابہ عادل ہیں، کسی سے بھی کوئی حدیث رسول مروی ہو روایت لینے والا ہدایت یاب ہو جائے گا۔ نیز یہ تشبیہ کیسے صحیح ہو سکتی ہے ؟ یہ تو ایک ظاہر البطلان تشبیہ ہے کیوں کہ ہر ستارے سے راستہ معلوم نہیں کیا جاتا، پس یہ تشبیہ باطل اور یہ حدیث باطل۔

علامہ البانی فرماتے ہیں: کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک صحابی کی اتباع کو جائز قرار دے دیں جبکہ ان میں عالم بھی تھے اور غیر عالم بھی، اور ان میں سے بعض اولے کھانے سے روزہ ٹوٹ جانے کے قائل نہیں تھے جیسے حضرت ابو طلحہ رض (دیکھئے مسند امام احمد ج ۳ / ص ۲۷۹) خدا ہمیں باطل احادیث کی اتباع سے بچائے، آمین!

AsliAhleSunnet.com

انتخاب و ترتیب : احمد مجتبیٰ سلفی

بَابُ الْفَتَاوىٰ

۱۔ جس جگہ کی پاکی نہیں معلوم ہو اس پر نماز کا حکم :

۲۔ جماعت سے پنجوقتہ نماز کی ادائیگی واجب ہے ۔

سوال : ہم لوگوں نے ایک جگہ باجماعت نماز ادا کی ، نماز سے فراغت کے بعد صاحب مکان نے کہا کہ : مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ جگہ پاک ہے یا ناپاک ، تو کیا ہم لوگ اس نماز کو دھرالیں ؟ یا کیا کریں !

الجواب : اس نماز کو دھرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اشیاء میں اصل طہارت ہے اور ناپاکی کا یقین نہیں بلکہ اگر اسلام کے بعد بالیقین معلوم ہو جائے کہ جگہ ناپاک تھی تب بھی نماز دھرانے کی ضرورت نہیں ۔ اسی طرح اگر سلام کے بعد معلوم ہو کہ نمازی کے جسم یا کپڑے میں ناپاکی تھی تب بھی نماز دھرانے کی ضرورت نہیں ، یا نماز سے پہلے معلوم تھا پھر بھول گیا اور سلام کے بعد یاد آیا ، اس بارے میں یہی صحیح قول ہے اسلئے کہ ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے ، حالت نماز میں آپ نے اپنے جوتے اتار دیئے تو دیکھا دیکھی لوگوں نے بھی اپنے اپنے جوتے اتار دیئے ، نماز کے بعد آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ : تم نے اپنے جوتے کیوں اتار دیئے ؟ صحابہ نے عرض کیا : اسلئے کہ آپ کو دیکھا کہ آپ نے اتار دیئے ، آپ نے فرمایا : میں نے تو اسلئے اتار دیئے کہ جبرئیل نے آکر بتایا کہ آپ کے جوتے میں ناپاکی ہے ، اگر کوئی آدمی نماز کو آئے تو اسے چاہیئے کہ اپنے جوتوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ لے ، اگر ان میں ناپاکی ہو تو دور کر دے تب ان میں نماز پڑھے (رواہ ابوداؤد باسناد صحیح)

اس حدیث سے یہ پتہ چلا کہ جگہ ، کپڑا اور جسم کی ناپاکی کے علم سے پہلے کی نماز دھرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جتنی نماز پڑھ لی تھی اسے دھرائی نہیں ۔

نیز ارشاد باری ہے : (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا) سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے ۔

اگر کسی کو نماز کے درمیان جگہ کی ناپاکی کا علم ہوا اور اس کے ارد گرد پاک جگہ ہو تو وہ اس جگہ منتقل ہو جائے اسکی نماز صحیح ہو جائے گی ۔

AsliAhleSunnet.com

اور اگر اس کو پاک جگہ میسر نہ ہو تو اسی جگہ پر پاک جائے نماز بچھا کر نماز پڑھ سکتا ہے، اور اگر پاک جگہ میسر نہ ہو تو نماز توڑ کر دوسری پاک جگہ تلاش کرنی چاہیئے۔

یہی حکم کپڑوں اور جوتوں میں ناپاکی معلوم ہو جانے پر بھی ہے۔

لیکن اگر کسی کو حالت نماز میں یہ یقین ہو جائے کہ اسنے وضو یا غسل نہیں کیا تھا جب کہ اس کی ضرورت تھی تو نماز باطل ہو جائے گی اسے وضو یا غسل کر کے نماز دھرانی ہوگی اسلیئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"لا صلاۃ بغیر طہور" (رواہ مسلم) یعنی بغیر طہارت کے نماز نہیں ہوگی۔

(۲) **سوال**: بعض لوگ نماز با جماعت یہ عذر کر کے چھوڑ دیتے ہیں کہ: ہمیں بڑی مشغولیت رہتی ہے، اور جب انہیں سمجھایا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ: نماز کا تعلق اللہ سے ہے اس میں کسی انسان کو دخل دینے کی ضرورت نہیں، تو آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: مسلمانوں کا ایک دوسرے کو نصیحت کرتے رہنا اور غیر شرعی کاموں سے روک دینا دین کے اہم فرائض میں سے ہے، ارشاد باری ہے (وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ، يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ) (سورۃ توبہ) یعنی مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "من رأی منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ، وذالک أضعف الایمان (رواہ مسلم)" یعنی اگر کوئی کسی بری بات کو دیکھے تو اسے بذریعہ طاقت ختم کر دے، اگر بذریعہ طاقت ختم کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے کوشش کرے کہ وہ برائی ختم ہو جائے، اگر اسکی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو دل ہی سے اس برائی کو برا جانے، اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔

تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بغیر شرعی عذر سے نماز با جماعت کا ترک ایک منکر ہے اس پر نکیر واجب ہے، مردوں کیلئے نمازیں تو با جماعت اور مسجد میں ادا کرنا فرض ہیں، اسکی بہت سارے دلائل ہیں منجملہ ان کے یہ فرمان نبوی ہے "من سمع النداء فلم یأت فلا صلاۃ لہ الامن عذر" یعنی جو آدمی اذان سن کر جماعت میں شریک نہ ہو اسکی نماز ہی نہیں ہوگی"

اس حدیث کو ابن ماجہ اور دارقطنی اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور ہے بھی صحیح۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک اندھے سے فرمایا تھا کہ اگر تم اذان کی آواز سنتے ہو

AsliAhleSunnet.com

تو تمہارے اوپر جماعت میں شریک ہونا واجب ہے (رواہ الامام مسلم) نیز اور بھی بہت سی احادیث اس معنیٰ میں وارد ہیں۔

نیز مسلمان پر یہ فرض ہے کہ جب اس کا کوئی مسلمان بھائی اس کی کسی غلطی پر ٹوکے تو غصہ نہ ہو بلکہ اسے تو اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور دعائے خیر کرنی چاہیئے کہ اس نے اسکو اس کا واجب یاد دلایا۔ اسکے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تکبر کا رویہ اختیار کرے کیونکہ خدا نے ایسا رویہ اختیار کرنے والے کی مذمت کی ہے، ارشاد ہے: (وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ، وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ) (سورہ بقرہ، آیت: ۲۰۶) یعنی اگر کوئی اسے کہتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اکڑ خانی کی وجہ سے گناہ پر اڑ جاتا ہے۔ بس جہنم اسکو کافی ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

(افادات شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ، مفتی اعظم سعودی عربیہ،

شائع شدہ "الدعوۃ" مورخہ ۱۴۱۰/۲/۲۱ھ)

مطبوعاتِ جامعہ سلفیہ

(۱) حرکۃ الانطلاق الفکری وجھود الشاہ ولی اللہ الدھلوی (عربی)

(۲) مسألۃ زیارۃ القبور فی ضوء الکتاب والسنۃ (عربی)

(۳) مسألۃ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ضوء الأدلۃ الشرعیۃ (عربی)

تصانیف: مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ

تعریب: ڈاکٹر مقتدیٰ حسن الأزھری

ملنے کا پتہ:-

مکتبہ جامعہ سلفیہ - ریوڑی تالاب - بنارس - ۲۲۱۰۱۰

AsliAhleSunnet.com

کتاب "سو بڑے" کے مصنف مائیکل ہارٹ کیساتھ ایک انٹرویو کا خلاصہ

(مشہور عالم کتاب "سو بڑے" کے مصنف مائیکل ہارٹ کے ساتھ ایک انٹرویو میں ہفتہ وار "المسلمون" کے ایک نامہ نگار مجاہد خلف نے بتایا ہے کہ مصنف موصوف نے انٹرویو میں یہ انکشاف کیا کہ مذکورہ کتاب کی اشاعت کے وقت ریاستہائے متحدہ امریکہ کے پادریوں اور میرے درمیان ایک کش مکش کا ماحول پیدا ہوگیا تھا، امریکہ کے تمام پادری اس بات پر مصر تھے کہ میں سو بڑوں کی تاریخ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت کو سرفہرست نہ رکھوں۔ ڈاکٹر ہارٹ نے مزید کہا کہ: شدید نکتہ چینی کے باوجود پیغمبر اسلام کا نام ہٹا کر ان کی جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کسی دوسری بڑی نصرانی شخصیت کا نام سرفہرست رکھنے پر میں آمادہ نہ ہوسکا اس سلسلہ میں مجھے یہ دلیل مطمئن نہ کر سکی کہ دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ اس وقت نصرانی مذہب کا پیرو ہے۔ ڈاکٹر ہارٹ نے مختلف اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے اہل کلیسا پر واضح کر دیا کہ انسانی زندگی پر گہرے اثرات کے پیش نظر پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بلند وبالا مرتبہ کے مستحق ہیں جو اپنی کتاب میں انہیں میں دے سکا ہوں)

مذکورہ تمہید کے بعد جو سوال وجواب شائع ہوا ہے اس کا خلاصہ درج ہے:

سوال نمبر ۱: ڈاکٹر مائیکل ہارٹ! علم فلکیات کے ایک استاد اور محقق کی حیثیت سے اسلامی معاشرہ کے مطالعہ اور اس پر توجہ کا محرک کیا ہے؟

جواب: میں اسلامیات کا ماہر نہیں، البتہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، میرا خاص میدان سائنس بلکہ اسکا ایک شعبہ یعنی فضائی سائنس ہے، لیکن ساتھ ہی تاریخ، سیاست اور ریاضیات پر بھی میری توجہ رہی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر لکھنے کے محرکات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ہارٹ نے وضاحت کی کہ جب میں نے ان شخصیات پر لکھنا شروع کیا جو انسانی تاریخ پر خصوصیت کے ساتھ اثر انداز ہوئی تھیں تو مجھے احساس ہوا کہ ان میں سے بہت سے مذہبی رہنما اور قائدین ایسے ہیں جنہوں نے لاکھوں اور کروڑوں اشخاص پر گہرے اثرات ڈالے ہیں، اور ان میں پیغمبر اسلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام سرفہرست ہے۔ پھر میں نے اس طرح کی سو شخصیتوں کو منتخب کر کے اس کتاب میں شامل کیا

AsliAhleSunnet.com

ان کا تعلق دنیا کی مختلف حکومتوں اور مختلف ممالک سے ہے۔ جن شخصیتوں پر میں نے لکھا ہے ان میں سے ہر ایک اور بالخصوص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر میں نے بہت زیادہ پڑھنے کے بعد کتاب لکھی ہے۔

سوال نمبر۲: پیغمبر اسلام سے متعلق آپ نے مغربی اہل قلم کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہوگا، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر لکھتے ہوئے مغرب کے اہل قلم غیر متعصب اور بے لوث ہوتے ہیں؟

جواب: ڈاکٹر ہارٹ نے فکر انگیز خاموشی کے بعد کہا کہ: پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، زندگی اور سیرت کے متعلق میں نے صرف انگریزی زبان میں پڑھا ہے کیونکہ میں عربی زبان سے واقف نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام سے متعلق نگارشات کے سلسلہ میں بڑا مسئلہ تعصب اور بدنیتی کا نہیں بلکہ معلومات کی فراہمی کا ہے۔ مثال کے طور پر میں کہنا چاہتا ہوں کہ امریکہ و یورپ کے بہت سے محققین دونوں براعظموں کی تاریخ سے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں، لیکن عربوں، مسلمانوں اور مشرقی ملکوں کے بارے میں انہیں اس قدر معلومات حاصل نہیں ہیں۔ مذکورہ کتاب کی تیاری کے لئے مطالعہ کے دوران مجھے احساس ہوا کہ اہلِ مغرب نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق لکھتے ہوئے ان کی زندگی کی تفصیلات کی گہرائی میں نہیں جاسکے ہیں۔ بلکہ عمومی اور سرسری انداز میں ان کی سیرت اور کردار کے جائزہ پر اکتفا کیا ہے۔

سوال نمبر۳: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر لکھنے سے پہلے آپ نے کسی مسلم ملک کا سفر کیا تھا؟

جواب: مجھے کسی عرب ملک کا کے سفر کا موقع پہلے نہیں مل سکا تھا، البتہ مذکورہ کتاب کی تالیف کے دوران ان عرب شخصیتوں سے ملاقات کا موقع ملا تھا جو امریکہ میں مقیم تھیں، ان سے ملاقات کے دوران عربوں کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہونے والی شخصیت سے متعلق میں نے ان کا نقطۂ نظر معلوم کیا۔ اسی طرح میں نے ہندی و چینی شخصیات سے متعلق لکھتے ہوئے بھی کیا، میرا مقصد ان اثرات کو معلوم کرنا تھا جو قوموں کی زندگی پر ان اشخاص کی وجہ سے رونما ہوئے تھے اور میں ان سے واقف نہ ہو سکا تھا۔

سوال نمبر۴: آپ کی کتاب پر مختلف حلقوں کی طرف سے مختلف تاثرات اور ردِ عمل کا اظہار ہوا، ان میں نمایاں ردعمل کیا ہے؟

جواب: امریکہ میں رہنے والے مختلف مسلمانوں نے جن سے میں واقف نہ تھا، مجھے تعریفی خطوط لکھے، عرب اہل قلم نے اس کا مناسب تعارف یا تبصرہ لکھا جب ۱۹۸۰ء میں میں مصر آیا تو جتنے لوگ مجھ سے ملے سب نے کتاب کے اسی حصہ کی بابت سوالات کئے جس میں پیغمبر اسلام کے حالات درج تھے، جس سے مجھے اندیشہ ہوا کہ لوگوں نے پوری کتاب کے بجائے

AsliAhleSunnet.com

صرف اسی حصہ کو پڑھا ہے۔ یہ عام طور پر ہوتا ہے کہ لوگ صرف ان ہی شخصیتوں کو پڑھتے ہیں جس کا ان کی زندگی پر اثر ہوتا ہے اور دوسری شخصیات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

درحقیقت میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ لوگ دوسری شخصیتوں کو بھی پڑھیں تاکہ انہیں دوسری ثقافتوں اور دوسرے علاقوں کے احوال کا علم ہو۔

سوال نمبر ۵: نصرانی اہل قلم اور اہل کلیسا کے رویہ سے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: اپنی کتاب کے لئے جب میں نے منتخب شخصیات کی فہرست مرتب کی تو کسی سے مشورہ نہیں لیا۔ میں کتاب پڑھنے اور اسکے مشتملات سے اختلاف کے سلسلہ میں ہر شخص کو پورے طور پر آزاد تصور کرتا ہوں۔ کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفہرست رکھنے پر مصر میں کسی نے مجھ پر اعتراض نہیں کیا، لیکن امریکہ میں اس نقطہ پر بڑی بحث و تکرار ہوئی، میں اسکی وجہ یہ سمجھتا ہوں کہ امریکہ کے اکثر لوگ غیر مسلم ہیں، اور ہر شخص کتاب کو اپنے نقطہ نظر سے پڑھتا ہے میں بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی بھی کتاب کا مطالعہ تنقیدی نقطۂ نظر سے ہونا چاہیئے، میری کتاب اس سے مستثنیٰ نہیں، ممکن ہے مجھ سے غلطی ہوئی ہو۔

اہل کلیسا کے ساتھ میرے اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب میں سرفہرست لکھوانا چاہتے تھے، میری کتاب میں مسیح علیہ السلام کے علاوہ پولس رسول، مارٹن لوتھر، کالفن اور پادری اوگسٹائن کے احوال درج ہیں، اہلِ کلیسا کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ دنیا کی نصرانی آبادی پر جو مسلمانوں سے زیادہ ہے، مذکورہ شخصیات کے اثرات زیادہ گہرے ہیں۔

میں نے ان کے سامنے واضح کیا کہ مذکورہ نصرانی شخصیات نے مجموعی طور پر جو اثر ڈالا ہے اسکے مقابلہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اثر زیادہ گہرا ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ نصرانیت کو کسی ایک شخص کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا، انجیل صرف مسیح علیہ السلام کا کلام نہیں، اسکے بہت سے حصوں کو رسول پولس نے لکھا ہے، اور اسی نے نصرانیت کی تبلیغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اس کے برعکس اسلام اور مسلمانوں کی بہ نسبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت منفرد ہے، پورا قرآن آپؐ پر نازل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دین کی بنیادیں مضبوط کیں، اور آپ ہی کے ہاتھوں پر لوگوں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں دینی وسیاسی رہنما تھے، مجھے ایسی کوئی دوسری شخصیت نہیں مل سکی جس

AsliAhleSunnet.com

نے مسلمانوں کی زندگی پر مذکورہ اثر ڈالا ہو۔ اسلام میں بھی بہت سی اہم شخصیات موجود ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

سوال نمبر ۶ : پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہوئے جن نقاط پر آپ نے زیادہ توجہ مرکوز کی وہ کون ہیں ؟

جواب : ڈاکٹر ہارٹ نے مخصوص انداز میں زور دے کر کہا کہ : عزم مصمم، دنیا کی مختلف شخصیتوں میں بیدار مغزی اور صلاحیت کی فراوانی نظر آتی ہے، لیکن اثر اندازی اور انجام دہی میں ان کا کوئی مقام نہیں، اس کی وجہ ارادہ کی پختگی وقوت اور پیہم کوشش کے لئے قوی عوامل کا فقدان ہے۔

لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا نمایاں پہلو آپ کی وہ غیر معمولی اور پیہم کوشش کی طاقت ہے جس کی وجہ سے سخت ترین حالات اور کوہ نما مصائب میں بھی آپ نے اپنا مشن جاری رکھا، اور نتیجہ کے طور پر آپ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

(المسلمون ص ۸، شمارہ نمبر ۲۳۱، ۴ ذی الحجۃ ۱۴۰۹ھ)

بقیہ ص ۴۸

جامعہ سلفیہ کے سارے متعلقین کو اس حادثہ پر دلی صدمہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ موصوف کی مغفرت فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

مولانا ضلع سدھارتھ نگر (بستی) کے مشہور مدرسہ شمس العلوم کے ناظم اور صوبائی جمعیۃ مشرقی یوپی کے امیر تھے۔ مسلک کے دفاع میں بڑے جری تھے۔ جماعتی جلسوں میں آپ کی شرکت بڑی اہمیت رکھتی تھی۔ ابھی چند ماہ پیشتر ڈاکٹر اسلم کانپوری اللہ کو پیارے ہوگئے، جو پورے ملک میں جماعتی اجتماعات کی رونق تھے اور اپنی آواز کے جادو جگاتے تھے۔ یہ شخصیات اٹھتی جا رہی ہیں، خالی جگہیں خالی ہی رہ جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جماعت کو عروج و ترقی نصیب فرمائے آمین۔

AsliAhleSunnet.com

دفتر ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات

شنبہ ویکشنبہ ۲۵ و ۲۶، نومبر ۱۹۸۹ء کی درمیانی رات میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس کے ناظم اعلیٰ اور مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے امیر مولانا عبدالوحید عبدالحق سلفی (رحمہ اللہ) اس دار فانی سے رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اور اس طرح جامعہ سلفیہ اور ملت وجماعت اپنے ایک مخلص وبے نفس اور باحمیت وبصیرت رہنما سے محروم ہوگئی۔

اہل ایمان کی نظر میں موت ایک اٹل حقیقت ہے، اور ہر متنفس کے لئے اس کا ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدم وتاخیر ناممکن ہے، اسی طرح اسلام کا حکم ہے کہ مسلمان اگر اپنے کسی عزیز وقریب یا محسن ومتعارف کی موت کے صدمہ سے دوچار ہو تو صبر وصلوٰۃ کا سہارا لے، اور اللہ تعالیٰ سے جانے والے کے لئے مغفرت ورحمت اور پسماندگان کے لئے صبر وسکون کی دعا کرے۔

اسلام کے اس حکم میں بڑی معنویت ہے، اور غمہائے روزگار کے ہجوم میں سنبھلنے کا یہی سب سے بہتر سہارا ہے۔ اعزاء ومتعلقین میں سے کسی کی جدائی بڑی شاق ہوتی ہے، اور رحلت کرنے والی شخصیت اگر زیادہ عظمت واہمیت کی مالک ہوتی ہے تو صبر وشکیب کی تمام تدبیریں بے سود ہوجاتی ہیں، اور دل کو کسی بھی طرح سکون وقرار نہیں ملتا۔

جس ذات گرامی کی وفات پر یہ سطریں لکھی جارہی ہیں ان کی انفرادی حیثیت واہمیت بھی کچھ کم نہیں، لیکن ان کی ملی وجماعتی فعالیت وتاثیر کو دیکھتے ہوئے جب ان کی موت کا خیال آتا ہے تو کلیجہ شق ہونے لگتا ہے، وہ خود ایک انجمن ہی نہیں بلکہ انجمن ساز تھے، جماعت کی تاریخ میں انہوں نے جس طرح رنگ آمیزی کی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں جس طرح بڑے بڑے کارنامے انجام دلوائے ان پر سب لوگ آج بھی رشک کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تدبیر سے کبھی خود کو سجانے کی کوشش نہیں کی، لیکن قدرت نے ہر میدان میں ان کو سربلندی سے نوازا اور انکے قدم قدم کو جماعت کے لئے باعث خیر وبرکت بنایا۔

AsliAhleSunnet.com

جامعہ سلفیہ کی پچیس سالہ تاریخ میں جس طرح اخلاص وللہیت محنت وجانفشانی اور اور ایثار وقربانی سے انہوں نے اس شجر نورستہ کو سینچا اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے وسعت قلب اور دقت نظر کی ضرورت ہے۔ جامعہ کی یہ تاریخ ان کی ذات سے اس طرح وابستہ ہے کہ دونوں کو الگ کرکے صحیح حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا، انہوں نے ادارہ کو، اور بعد کے دور میں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کو بھی، اپنا مرکز نگاہ بنالیا تھا، مصروف تجارتی زندگی سے وقت بچا بچا کر دونوں اداروں کی خدمت کرتے رہے، اور اس میں اس قدر انہماک دکھایا کہ صحت متاثر ہوگئی، ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا اور عمل کے اوقات میں کمی کی سخت تاکید کی، لیکن زندگی میں اس کا موقع نہ مل سکا۔

مدنپورہ بنارس کے جس خانوادہ سے مولانا عبدالوحید صاحبؒ کا تعلق تھا اس کی ریاست وسیادت، کرم گستری وعلم نوازی اور جاہ وحشمت کا سب کو اعتراف ہے، اس خانوادہ کے بیشتر افراد ملی وجماعتی خدمات کی وجہ سے مقبول خاص وعام ہیں، اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بعد ان ہی کے ایثار وقربانی سے بنارس کی جماعت قلت تعداد کے باوجود ہمیشہ سربلند رہی، اور جامعہ سلفیہ کے قیام کے بعد افراد جماعت کا ربط اس خانوادہ سے اور زیادہ قوی ہوگیا، ہر طرف سے لوگ اپنے مالی وانتظامی مسائل لے کر یہاں پہونچتے تھے اور بیشتر حالات میں مقصد سے ہمکنار واپس جاتے تھے۔ جماعت کا مؤرخ یہاں کے احوال قلمبند کرنے بیٹھے گا تو اسے علم پروری وغربار نوازی کی بڑی انوکھی مثالیں نظر آئیں گی۔

اس خانوادہ کے عظیم احسانات میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ اس نے اپنے عزم وہمت سے مرکزی دارالعلوم کی تاسیس کا کام آسان بنادیا، اور یہاں سے اس ادارہ کو ایسا باصلاحیت مخلص ناظم ملا جس نے اپنی دوررسی اور جانفشانی سے ادارہ کو چار چاند لگا کر بہت تھوڑی مدت میں اسے ملک وبیرون ملک میں معتبر بنادیا۔ جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا تو ہمارے جماعتی ادارے ملکی سطح پر دعوت وتدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے اور ان اداروں کے قائدین ومنتظمین کو بیرونی سطح پر کام کا تجربہ نہ تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مخلصین جماعت کی

AsliAhleSunnet.com

کوشش و توجہ سے بہت جلد جامعہ سلفیہ نے بیرونی اسلامی دنیا سے اپنے تعلقات استوار کر لئے، مدارس کی زندگی میں یہ ایک نیا تجربہ تھا، اسے تقویت دینے کے لئے بالغ نظری و معاملہ فہمی کی ضرورت تھی۔ محترم مولانا عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور گوناگوں اوصاف و کمالات سے کام لے کر جامعہ سلفیہ کے بیرونی علمی تعلقات کو مزید استوار بنایا، اور اس طرح ادارہ کے فارغین و متعلقین کے لئے علمی ترقی کے وسیع تر راستے سامنے آئے، متعدد تعلیمی اداروں سے استفادہ کے مواقع حاصل ہوئے اور علمی مذاکرات و اجتماعات میں شرکت کا مرحلہ آسان ہوا، ساتھ ہی جامعہ سلفیہ کو بھی متعدد کانفرنسیں منعقد کرنے کا حوصلہ ملا جس سے جماعتی زندگی میں حرکت و سرگرمی پیدا ہوئی۔ جامعہ سے جن طلبہ کو بیرون ہند تعلیم کا موقع ملا ان میں سے بیشتر طلبہ نے اپنے اپنے مضامین میں نمایاں کامیابی حاصل کی، اور اس طرح علمی و تحقیقی کاموں میں قابل قدر پیش رفت ہوئی۔ عرب دنیا میں حالات کی ناہمواری کے باعث طلبہ کے داخلہ میں اس وقت کمی ہو گئی ہے، لیکن جو طلبہ بیرون ملک علمی خدمات میں مشغول ہیں ان سے بہتر توقعات وابستہ ہیں۔

انسان کی ذات میں بہت سے محاسن و کمالات ہوتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ جملہ محاسن نمایاں طور پر لوگوں کے سامنے آجائیں، حالات کے مطابق آدمی کی شخصیت ابھرتی ہے اور اس کے جوہر نمایاں ہوتے ہیں۔ ملی و جماعتی زندگی میں داخل ہونے کے بعد مولانا عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جو محاسن ابھر کر سامنے آئے ان کی فہرست طویل ہے، جامعہ کی تاریخ اور مرحوم کے سوانح مرتب کرنے والے حضرات ان خوبیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے، اور ان سے متعلق واقعات و حقائق کو شرح و بسط سے پیش کریں گے، اور اپنے اپنے نقطہ نظر اور تجربہ کے مطابق ان خوبیوں کے مابین ترتیب قائم کریں گے، لیکن مرحوم کے جو محاسن ان سے ملنے اور ان کو سننے والے ہر شخص کو نمایاں طور پر متاثر کرتے تھے ان میں ان کا تدین، تقویٰ شعاری، سنت رسول پر فدائیت، صبر و تحمل، مردم شناسی و بالغ نظری، وقار و وضعداری، خوش خلقی و ملنساری اور انتھک جد و جہد نمایاں ہیں، کبھی کبھی ان کی زندگی میں ان محاسن کی ایسی جلوہ گری ہوتی تھی کہ متعلق شخص

AsliAhleSunnet.com

ششدر رہ جاتا تھا۔ تجارت کی دنیا سے باہر ان کا زیادہ تر سابقہ علماء و طلبہ سے رہتا تھا، وہ سب کی سنتے اور سہتے تھے، کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کی، اور نہ ایسی صورت پیدا ہونے دی جس سے ان لوگوں میں سے کسی کو شرمساری ہو۔

جامعہ سلفیہ کے قیام سے پہلے مرحوم نے جامعہ رحمانیہ کی اپنی نظامت کے دور سے متعلق بعض واقعات ایک استفسار پر بیان کئے، ان کو سن کر اندازہ ہوا کہ علماء کی قدر و منزلت ان کے نزدیک کتنی تھی۔ مردم شناسی کا یہ حال تھا کہ آدمی کو پہلی نظر میں پوری طرح پڑھ لیتے تھے، لیکن تاثرات کے اظہار میں بے حد محتاط تھے تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، اس سے بعض لوگ یہ سمجھ لیتے تھے کہ حقیقت ان سے مخفی رہ گئی۔

بے نفسی کا یہ عالم تھا کہ دو دو ماہنامے ان کی ماتحتی میں شائع ہوتے تھے لیکن کبھی اپنی کارگذاری کو نمایاں کرنے کے لئے کنایۃً بھی کوئی فرمائش نہ کی اور اگر کہیں کسی کارگذاری کے ضمن میں ان کا نام آگیا تو اس پر مسرت کے بجائے تکدر کا اظہار کیا، خاموشی کے ساتھ دین و علم کی خدمت ان کے اصول میں داخل تھی۔

راقم سطور نے ان کی ماتحتی میں کام کرتے ہوئے بیس سال سے زائد کا عرصہ گذارا، اس مدت میں ان کی زندگی کے بہت سے پہلو نمایاں ہوئے، جماعتی میدان میں ان سے متعلق دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی دیکھنے کا اور پڑھنے کا موقع ملا، ان سب سے متعلق اپنے تاثرات کسی دوسری فرصت میں پیش کروں گا، فی الحال محدث کی کاپی پریس جانے کیلئے تیار ہے، اور عجلت میں یہ سطریں تحریر کر رہا ہوں، مفصل سوانحی خاکہ ان شاء اللہ کسی دوسری اشاعت میں پیش کروں گا۔

جامعہ سلفیہ و جمعیۃ اہل حدیث کے سربراہ کی حیثیت سے مرحوم کے تعلقات کا دائرہ بے حد وسیع تھا، باہم ایسی صورت پیش آسکتی ہے جس سے کسی طرح کا تکدر پیدا ہوا ہو، لیکن مرحوم اب اس دنیا میں نہیں رہے، تجربہ سے ثابت ہے کہ ان کا اختلاف بھی مثبت و مفید پہلو رکھتا تھا، جماعت پر چونکہ ان کا حق بہت بڑا ہے اسلئے میری گذارش

AsliAhleSunnet.com

ہے کہ ہم مرحوم کے لئے اسلامی تعلیم کے مطابق دعائے خیر کریں، اور ان کے مخلص وصحیح جانشین کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کریں۔

مرحوم کی موت اسپتال میں تقریباً ایک ماہ زیر علاج رہنے کے بعد ہوئی، پھر بھی اچانک حادثہ تھی، حالات کی ناہمواری کے باعث جملہ متعلقین ومعارفین کو بروقت خبر نہ دی جاسکی، جس کا ہمیں بے حد افسوس ہے، اور ساتھ ہی ہم ان تمام حضرات کے تہہ دل سے شکر گذار ہیں جنہوں نے خبر سن کر جنازہ میں شرکت کی یا تعزیت وہمدردی کے کلمات ارسال کئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سلامتی وعافیت سے نوازے، مرحوم کو جنت الفردوس اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے،

وصلی اللہ علی رسولہ الکریم، وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(شریکِ غم: مقتدیٰ حسن ازہری)

قارئین محدث کی خدمت میں

ماہنامہ محدث ہر ماہ پابندی سے آپ کے نام ارسال کیا جاتا ہے اس لیے آپ سے مودبانہ گزارش ہے کہ پرچہ تاخیر سے پہنچنے یا نہ پہنچنے کے سلسلہ میں اولین فرصت میں ادارہ سے رجوع کریں۔

اگر آپ کے ذمہ ماہنامہ خریداری کی رقم باقی ہے تو براہِ کرم پہلی فرصت میں بھیجنے کی زحمت فرمائیں۔

(ادارہ)

AsliAhleSunnet.com

جوارِ رحمت میں

(۱) جامعہ سلفیہ بنارس کے نائب صدر، سرپرست خاندان درئیس مدنپورہ اور شہر بنارس کے میئر جناب محمد صالح انصاری صاحب کے چچا الحاج محمد صدیق صاحب (۸۷ سال) کی اہلیہ محترمہ سلمہ بی بی بروز منگل، ۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۱۶ر ربیع الاول ۱۴۱۰ھ کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی عمر بیاسی سال تھی۔ انھوں نے اپنے پیچھے پانچ بیٹے، الحاج عبد الماجد، ابو الہاشم، ابو القاسم، عبد الباری محمد زبیر اور چار بیٹیاں چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ متوفیہ کی مغفرت فرمائے، اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔

(۲) جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا عبد الوحید صاحب سلفی کی والدہ محترمہ خدیجہ بی بی زوجہ عبد الحق مرحوم بروز منگل مورخہ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۲۲ر ربیع الاول ۱۴۱۰ھ ۹۳ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انھوں نے اپنے پیچھے ایک خاندان چھوڑا ہے جو تقریباً چار سو افراد پر مشتمل ہے۔ انھوں نے دس بیٹے، عبد العلیم مرحوم، عبد العظیم، عبد الرشید، عبد القدیر، عبد الوحید (ناظم جامعہ سلفیہ وامیر جمعیت اہلحدیث ہند) حافظ عبد البصیر، عبد الکبیر، محمد شعیب، محمد صالح، محمد سلیم اور پانچ بیٹیاں چھوڑیں جو سب کے سب صاحب عیال ہیں۔ مرحومہ بڑی متقی، پرہیزگار اور تہجد گزار تھیں، ملنساری اور غرباء پروری انکی خاص صفت تھی، گھر کے ماحول اور معاشرت پر ان کی کڑی نظر رہتی تھی، گھر کے اندر اگر کوئی غلط کام ہوتا تو اس پر وہ ضرور نکیر کرتی تھیں۔ ان کی عمدہ تربیت اور اچھی تعلیم کا اثر ان کی اولاد اور نسل پر نہایت نمایاں ہے مرحومہ نے تین بار حج کا شرف حاصل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جوارِ رحمت میں جگہ دے، نیز پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۳) یہ خبر جماعتی حلقوں میں بڑے رنج وغم سے سنی جائے گی کہ مشہور عالم و مناظر جناب مولانا عبد المبین منظر صاحب کا بروز جمعہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ۲۶ر ربیع الاول ۱۴۱۰ھ کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون موصوف بنارس بغرضِ علاج تشریف لائے تھے۔ ایک اسپتال میں آپریشن ہوا جو موت کا بہانہ ثابت ہوا۔

(باقی صفحہ ۴۲ پر)

AsliAhleSunnet.com

DECEMBER8 1989 Vol. VII - No. XII

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

مطبوعات جامعہ سلفیہ

معاویہ بن ابی سفیان

رضی اللہ عنہ

ایک مجاہد صحابی

تألیف

منیر محمد الغضبان

قیمت Rs. 56/..

مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، وارانسی

Published by: Abdul Auwal Ansari, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
B. 18/1 G. Reori Talab, Varanasi. Editted by : A. W Hijazi
Printed at Salafia Press, Varanasi.

AsliAhleSunnet.com